www.iqbalkalmati.blogspot.com

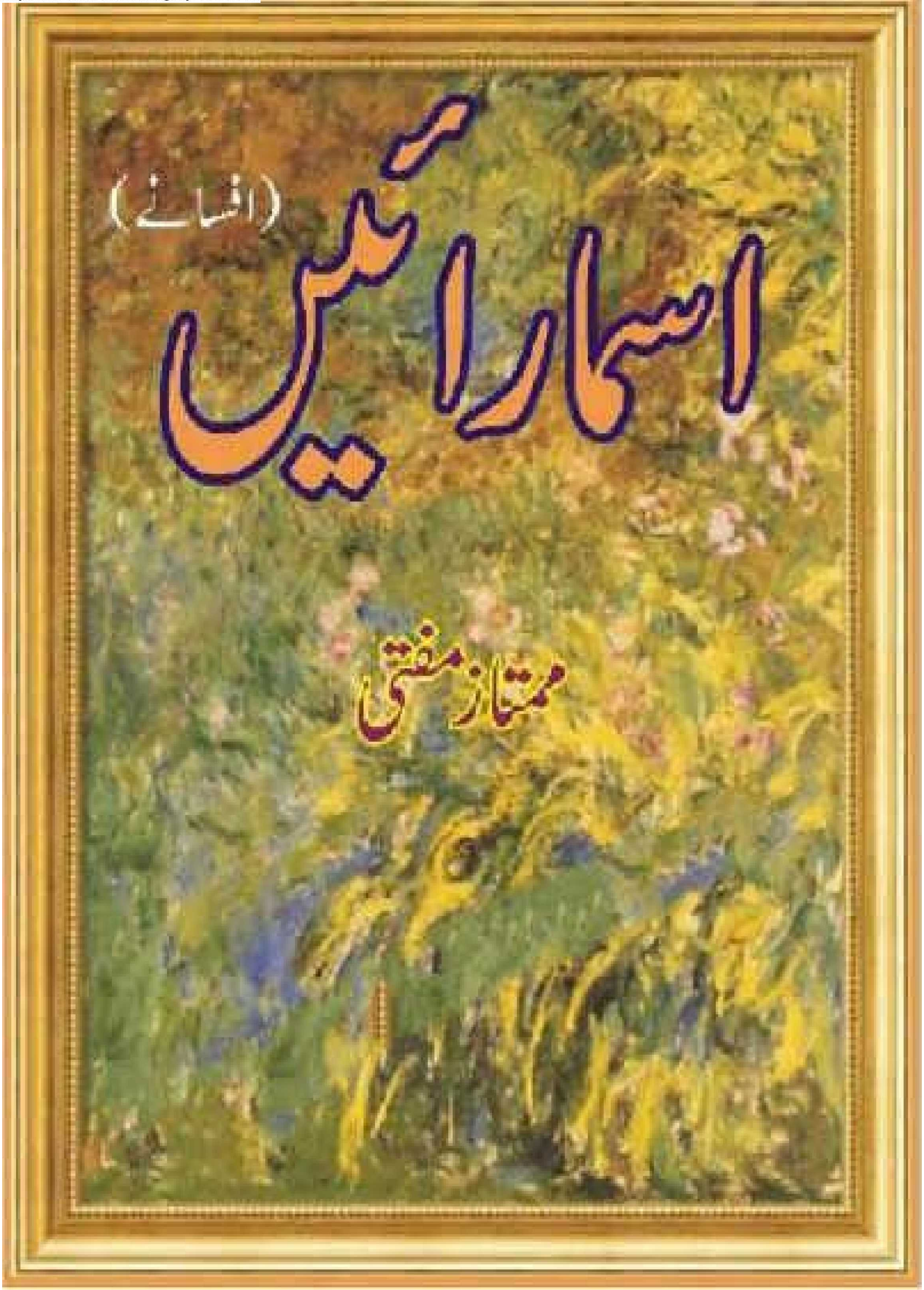

www.iqbalkalmati.blogspot.com

# اسمارائیں

(افسانے)

ممتاز مفتی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

# سمیع اور اسمارہ

سمیع اور اسمارہ کا واقعہ ایک معمولی سا واقعہ ہے۔ ایسا واقعہ جو اکثر ہمارے گردوپیش چپ چاپ وقوع پذیر ہوتا ہے۔ ہم اسے دیکھتے ہیں، سنتے ہیں، مگر نہیں دیکھتے، نہیں سنتے۔

سمیع اور اسمارہ کوئی عجیب وغریب کردار نہیں ہیں۔ وہ بار بار مختلف کوائف سے مختلف ناموں میں ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ ہم انہیں دیکھتے ہیں، ان سے ملتے ہیں اور پھر اپنے کام میں لگ جاتے ہیں۔

سوچتا ہوں کہ آخر میں سمیع اور اسمارہ کا واقعہ کیوں قلمبند کر رہا ہوں۔ واقعات کے لحاظ سے یہ ایک اکتا دینے والا واقعہ ہے۔ افسانے کے لحاظ سے۔۔۔۔۔۔ افسانویت اس میں قطعی طور پر مفقود ہے۔ پھر سمیع اور اسمارہ کے کردار بھی تو ہماری زندگی کا کوئی انوکھا پہلو پیش نہیں کرتے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

ویسے تو جگہ جگہ سمیع اور اسمارہ ملتے ہیں لیکن ان مخصوص سمیع اسمارہ کو دیکھنا ہو، جن کا ذکر کرنے پر میں خود کو مجبور محسوس کر رہا ہوں اور جن میں کوئی خصوصی امتیاز نہیں تو کسی روز جبشی باغ کے مغربی حصے میں چلے جایئے۔ اس مقام سے ذرا دور جہاں تراشے ہوئے پودے پھولوں کے تختے اور تراشیدہ گھاس کے ہموار پلاٹ ختم ہو جاتے ہیں اور باغ جنگل کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جہاں بیٹھے بیٹھے سے سرسبز درختوں سے بھوری ٹہنیاں خم کھاتی ہوئی بے تابانہ باہر نکل آتی ہیں، جیسے کسی سے کچھ کہنے کے لیے بے قرار ہوں۔ اور پھر کچھ کہے بغیر بل کھائے جاتی ہیں۔ جہاں اونچی اونچی گھاس میں خاردار جھاڑیوں کے درمیان سرخ پتھر کا ایک فوارہ ہے جس کے گرد پتھر میں دو معصوم بچے مغموم ہیں اور نیچے ایک کتبہ کندہ ہے۔

''ہم دونوں کے سوا ساری دنیا عجیب ہے پیاری!''

''ہاں پیارے اور تم بھی کچھ کچھ عجیب۔۔۔۔۔۔''

اس فوارے کے گرد چند ایک ٹوٹے ہوئے بنچ پڑے ہیں۔ فوارے کے پاس شاید آپ کو کچھ دیر انتظار کرنا پڑے کیونکہ وہ دن ڈھلے وہاں آتے ہیں۔ لیکن اگر انہوں نے آپ کو دیکھ پایا تو وہ چپ چاپ آگے نکل جائیں گے اور آپ کو معلوم ہی نہ ہوگا کہ وہی دونوں سمیع اور اسمارہ تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسمارہ عمر میں پچیس کے لگ بھگ ہوگی اور سمیع تیس کے قریب۔ ان کے خدوخال اور بشرہ سے کوئی خصوصیت نمایاں نہ ہوگی۔ اسمارہ کی شکل وصورت ایسی ہوگی۔ جیسے تمام اسماراؤں کی شکل وصورت ہوتی ہے۔ کتابی چہرہ' ستواں ناک' پتلے ہونٹ' تنگ دہن اور اداس' نیم واڈولتی آنکھیں۔

اس کے چہرے پر ایک مخملی سی زردی' ایک غم زدہ تازگی نمایاں ہوگی۔ جیسے کوئی پھول اوس کی نمی تلے اور بھی شگفتہ دکھائی دیتا ہے۔ آزردگی کی اس گہری اور شگفتہ تہہ کے علاوہ اس کے چہرے پر کوئی اظہار نہیں ہوتا' جیسے اس حسن افزا غازے نے اسے باقی جملہ اظہار سے محروم کردیا ہو۔ اور اس کے جذبات اظہار کے راستے مسدود پا کر چہرے سے ہاتھوں میں اتر آئے ہیں۔

سمیع کی شکل عام سی ہے۔ جیسے آپ کی' میری یا کسی اور کی۔ اور سچ پوچھیے تو ہم اور سمیع میں فرق ہی کیا ہے۔ یہی نا کہ ہمیں کوئی اسمارہ نہیں ملی۔ جو ہمارے خوابیدہ سمیع کو چونکا دیتی اور پھر اسے تھپک تھپک کر پالتی پوستی۔ اس سمیع کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے جیسے وہ کھو گیا ہو' کسی کی تلاش کرتے ہوئے خود کہیں کھو گیا ہو' جیسے اس کے گردوپیش کی تمام چیزیں سو گئی ہوں اور فاصلے انگڑائیاں لینے لگے ہوں۔ اور ہواؤں نے چلنا چھوڑ کر تھپکنا شروع کردیا ہو۔

فوارے کے قریب آ کر وہ دونوں رک جائیں گی۔ سمیع کھوئی ہوئی' تھکی ہوئی نگاہ ادھر ادھر ڈالے گا۔۔۔۔۔۔ اسمارہ کے سیاہ برقعے سے دو زرد مخملی سانپ نکل آئیں گے اور یوں مضطربانہ لہرانے لگیں گے جیسے کچھ ٹٹول رہے ہوں۔

''اسمارہ!'' سمیع کی کراہ سنائی دے گی۔

''جی'' فضا میں ایک ہلکی سی آہ تیرنے لگے گی۔

''اسمارہ!''

''جی!''

''تم تھک گئی ہو اسمارہ؟''

''نہیں تو'' اور اس کے تھکے ہوئے بے جان ہاتھ' بنچ کا سہارا لینے کے لیے آگے بڑھیں گے۔

''ضرور' تم تھک گئی ہو' کچھ دیر بیٹھ جائیں۔''

''اچھا'' ۔۔۔۔۔۔ اسمارہ دھم سے بنچ پر گر جائے گی جیسے وہ تھک کر چور ہو چکی ہو۔ سمیع ارد گرد کھوئی ہوئی نگاہ ڈالے گا' سرد آہیں بھرے گا اور پھر اسی بنچ پر اسمارہ سے پرے ہٹ کر بیٹھ جائے گا۔ اور وہ دونوں خاموش بیٹھے رہیں گے۔ اسمارہ برقع اٹھا کر

فوارے کی طرف منہ موڑ لے گی اور کچھ اس انداز سے فوارے اور کتبے کی طرف دیکھے گی۔ جیسے وہ فوارے کے وجود سے ہی واقف نہ ہو جیسے وہ کتبہ فوارے کی بجائے افق پر رنگین بادلوں میں کندہ ہو۔ سمیع ان بل کھاتی ہوئی مضطرب شاخوں کی طرف چوری چوری دیکھتا رہے گا جو اس سیاہ جھاڑی سے نکل کر فضا میں ایک جمالی انداز سے معلق ہو گی۔ سمیع کی مضطربانہ نگاہوں کو دیکھے بغیر محسوس کر کے اسمارہ کی انگلیاں تن کر اور بھی لمبی ہو جائیں گی اور قریب ہی مخملی زرد سانپوں کی زبانیں یوں لہرائیں گی جیسے کسی ضحاک کے شانے ٹٹول رہی ہوں۔

یہ دیکھ کر سمیع اور بھی سمٹ جائے گا۔ اور اسمارہ سے ذرا پرے سرک کر آہ بھرے گا۔

"اسمارہ!"

"جی"

"اسمارہ میں گردن زدنی ہوں۔"

"کیوں؟"

"میں نے تمہاری زندگی تباہ کر دی۔"

"نہیں تو"

"سب میرا قصور ہے سب میرا قصور ہے۔"

باغ کے اس ویران ٹکڑے میں ایک آہ اور ایک کراہ تیرنے لگیں گی۔ "میری محبت میں تمہاری تباہی کا باعث ہوئی۔"

"نہیں تو۔" پتھر کے معصوم بچے کو دیکھ وہ پیار سے مسکرا دے گی۔

پھر وہ اٹھ بیٹھے گا اور مضطربانہ ٹہلنے لگے گا۔ اور اسمارہ کی زرد شاخیں بل کھائیں گی اور اس کے چہرے کی آزردگی اور بھی شدید ہو کر اسے ایک نئی تازگی بخش دے گی۔

پھر نہ جانے کہاں سے راز آ نکلے گا۔ وہ حیرانی سے سمیع اور اسمارہ کی طرف دیکھے گا۔ "ہیں تم ------- تم یہاں؟"

"ہاں" سمیع اسمارہ سے اور بھی دور ہٹ جائے گا۔ اور دوسرے بنچ پر بیٹھ کر اسے اپنی طرف بلائے گا۔ "راز آؤ تم جانتے ہو سب قصور میرا ہے۔ سب قصور میرا ہے۔ میں نے اسمارہ کی زندگی کا شیرازہ بکھیر دیا۔ میں نے اسے اندھے کنوئیں میں دھکیل دیا۔ میں گردنی زدنی ہوں راز"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''گردن زدنی'' یہ کہتے ہوئے وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر آنکھیں بند کرلے گا۔

''راز۔۔۔۔۔۔'' اسمارہ اسے اشارے سے بلائے گی۔ ''ان کا قصور نہیں' ان کا قصور نہیں راز۔ سب میری بدقسمتی ہے۔ میری بدقسمتی! میں کتنی بدنصیب ہوں راز' تم جانتے ہو۔ ان سے جا کر کہہ دو۔ وہ میرا غم نہ کھائیں۔ میرے لیے اپنی زندگی تباہ نہ کریں۔''

سمیع راز کو پاس کھڑا دیکھ کر چونکے گا۔ ''راز کتنی اچھی ہے وہ کتنی پاکیزہ! لیکن میں' میں اس کے قابل نہیں' قطعی نہیں۔ اس نے اپنی پاکیزگی سے میری زندگی سنواری۔ اور میں نے اسے کیا دیا' کچھ بھی نہیں۔ تباہی بربادی' تنہائی' جاؤ راز اسے کہہ دو کہ سمیع ساری عمر آنسو بہاتا رہے تو بھی اس گناہ کی تلافی نہیں ہوسکتی۔''

پھر اس سیاہ جھاڑی سے دو زرد شعلے نکل کر راز کو جھلس دیں گے۔ زن ایک پٹاخہ سا چھوٹے گا اور راز کا سر کٹ کر درخت کی شاخ سے جا لٹکے گا۔ ایک کراہ اور ایک آہ ان بنچوں کے گرد آنکھ مچولی کھیلیں گے۔ اور شاخیں بل کھا کھا کر سبز پتوں سے جھانکیں گی اور شام اپنا دھندلا پردہ کھول دے گی۔

حبشی باغ کے اس ویران کونے میں سمیع اور اسمارہ ہر اتوار کو آتے ہیں اور فوارے کے قریب رک جاتے ہیں۔ ''اسمارہ!'' سمیع آنسو پی کر کہتا ہے۔ ''جی'' ایک مخملی آہ فضا میں تیرتی ہے اور اسمارہ کی نیم وا کشتیاں ڈولتی ہیں' ہاتھ بل کھاتے ہیں۔ اور اس کے چہرے پر آزردگی کی تہہ اور بھی گاڑھی ہو کر اسے ایک انوکھی تازگی بخش دیتی ہے اور پھر اشفاق سے سمیع کا دوست راز ادھر آنکلتا ہے اور سمیع اٹھ کر دوسرے بنچ پر جا بیٹھتا ہے۔ ''راز اسے جا کر کہہ دو۔''

اور سیاہ جھاڑی سے دو زرد سانپ نکل کر راز کے شانے چاٹتے ہیں اور اس کا سر شاخ سے لٹکنے لگتا ہے اور فوارہ اچھل اچھل کر جھانکتا ہے۔ اور بنچ مسکراتے ہیں اور ان کے نیچے وہ کتبہ پھیلنے لگتا ہے اور شام کے دھندلکے میں اس کے حروف خون آلود سرخی سے چمکتے ہیں اور دور افق پر ان کا عکس پڑتا ہے اور بادلوں کو آگ لگ جاتی ہے اور فضا میں ہلکی ہلکی سرگوشیاں گونجتی ہیں۔

''ساری دنیا عجیب ہے پیاری!''

''ہاں پیارے' اور تم بھی کچھ کچھ عجیب!''

دس سال گزرے جب سمیع نے پہلی بار اسمارہ کو دیکھا تھا۔۔۔۔۔۔ دس سال! اسمارہ اس وقت حسب معمول باورچی خانے میں بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ مصروف کار تھے۔ اس کی نگاہیں یوں کھوئی ہوئی تھیں جیسے کائنات کے خلا اور وسعتیں ان آنکھوں' دو آنکھوں میں جذب ہو چکی ہیں۔ اس کے ہونٹ یوں بھینچے ہوئے تھے جیسے کراہ کو دبائے ہوئے ہوں۔ اس کے رخساروں پر مخملی زردی

کی تازگی تھی وہ یوں بیٹھی تھی جیسے کبھی اسمارائیں بیٹھتی ہیں۔ مگر سمیع نے کبھی کسی اسمارہ کو نہ دیکھا تھا۔ اس لیے وہ اسے دیکھ کر کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ اسمارہ کو اس بات کا احساس تھا کہ اس کی خالہ کی نند کے بھائی کا نووارد بیٹا قریب ہی حیرانی اسے اسے دیکھ رہا ہے۔ لیکن اسمارہ نے دوپٹہ سنبھالنے یا گھبرا کر پیچھے ہٹنے یا ہائے اللہ کہہ کر بھاگنے کی کوشش نہ کی تھی' جیسے نوجوان لڑکیاں کیا کرتی ہیں بلکہ سمیع کی موجودگی کے احساس پر اس کے رخسار اور بھی شبنمی ہو گئے تھے۔ اس کی آنکھوں کی کشتیاں اور بھی ڈولنے لگی تھیں اور اس کے ہونٹ اور بھی کرانے لگے تھے۔

اس روز کے بعد سمیع میں ایک اضطراب سا جاگ اٹھا۔ بے نام اندھا اضطراب دفعتاً وہ پڑھتے اٹھ بیٹھتا اور کتاب میز پر دے مارتا۔ ''نہیں' نہیں' یہ نہیں ہو سکتا۔''

راہ چلتے ہوئے وہ چونک پڑتا۔ ''نہیں ں نہیں' میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔''

''گھر آ کر وہ چپکے سے گھومتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ جاتا اور باورچی خانے کی اس کھڑکی کے قریب جو اندر دالان میں کھلتی تھی۔ دیوار کی اوٹ میں کھڑا ہو کر اسمارہ کو دیکھتا رہتا۔

نہ جانے کیسے اس کی آمد پر کھڑکی کی طرف دیکھے بغیر اسے احساس ہو جاتا کہ وہ آ گیا ہے۔ اس پر اس کی بھنویں اور بھی تن جاتیں۔ چہرہ اور بھی ستا ہوا دکھائی دیتا اور ہاتھ دلفریب خم کھا کر جمالی انداز سے ہوا میں معلق ہو جاتے' پھر روز بروز اسمارہ کی اس چوکی کا زاویہ بھی بدلتا جا رہا تھا جس پر وہ بیٹھا کرتی تھی اور اس کا چہرہ گلی کی کھڑکی کی سمت غروب ہوتا ہوا دالان کی کھڑکی پر طلوع ہوتا جا رہا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اسمارہ نے کبھی آنکھ اٹھا کر اس کھڑکی کی طرف نہ دیکھا تھا۔ جس کی اوٹ میں سمیع کھڑا ہوتا تھا۔

سمیع چوری چوری اسمارہ کی طرف دیکھتا' آہیں بھرتا' آہیں بھرتا اور ہلکی سی آہٹ پر دیوار پر لگے بجلی کے سوئچ کی مرمت میں یوں مشغول ہو جاتا۔ جیسے اسے خبر ہی نہ ہو۔ اور اسمارہ آلو چھیلتی چھیلتی' ٹماٹر کاٹتی' چائے بناتی اور پھر جیسے تھک کر انگڑائیاں لیتی اور بیٹھتے ہوئے یوں دیواروں کے پار خلاؤں کو گھورتی جیسے اس کائنات سے کوئی تعلق نہ ہو۔ سمیع آہیں بھر بھر کر تھک جاتا تو چپکے سے سیڑھیاں اتر جاتا اور اپنے کمرے میں پہنچ کر کتابوں کو گھورتا' میز سے لڑتا اور جملہ چیزوں کے خلاف شکایتیں کرتا۔ ''اب میں کیا کروں؟ اب میں کیا کروں؟'' وہ اس چھوٹے سے کمرے میں صحرا نوردی کرتے ہوئے چلاتا۔ ''مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا۔''

اسمارہ کے والد کالج میں پروفیسر تھے۔ جنہیں کتابوں کے علاوہ جیتے جاگتے مطالعوں میں دلچسپی تھی۔ لیکن اسمارہ کی والدہ کی وفات کے بعد ان کی دلچسپی صرف کتابوں تک ہی محدود رہ گئی۔ شاید اس خیال سے کہ گھر میں دو جوان لڑکیاں تھیں۔ انہوں نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مطالعے کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ لیکن کسی پلے ہوئے توارثی رجحان کو پس پشت ڈالنے سے وہ انتقامی صورت اختیار کر لیتا ہے اور ایسا شبخون مارتا ہے کہ انسان کا ذہنی توازن تباہ ہو جاتا ہے۔ پروفیسر قائم علی بھی ایک ایسے ہی شبخون کا شکار ہو گئے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پڑوسی سب جج کی بیگم عشرتی ہمیشہ کے لیے اپنا گھر چھوڑ کر پروفیسر صاحب کے گھر میں آ بیٹھی تھی اور اس کی آمد پر پروفیسر صاحب نے کتابیں پڑھنے کا شغل ترک کر دیا تھا۔ اور وہ اپنی تازہ فتح بیگم عشرتی میں کھو گئے تھے۔

سمیع جب گاؤں سے شہر آیا تاکہ تھرڈ ائیر میں داخل ہو تو پروفیسر صاحب کو معلوم ہوا کہ ایک حساب سے وہ ان کا رشتہ دار ہے اور انہوں نے اسے رسمی دعوت دی۔ ''سمیع! جب تک رہائش کا مناسب انتظام نہ ہو تو ہمارے ہاں آ ٹھہرو۔'' اور جب سمیع کتابوں کا سوٹ کیس اٹھائے وہاں پہنچ گیا تو پروفیسر صاحب اس کے وجود اس مکان میں اس کی موجودگی کے احساس سے قطعی بیگانہ ہو گئے۔ ایک تو وہ ویسے ہی نسیان کا شکار تھے جیسے عام طور پر پروفیسر ہوتے ہیں اور دوسرے بیگم عشرتی کی فتح نے انہیں عام فانی انسانوں کی باتوں اور واقعات سے بے نیاز کر دیا تھا۔ انہیں یہ احساس ہی نہ تھا کہ خواب گاہ کے قریب ہی باورچی خانے میں ان کی دو جوان لڑکیاں آلو چھیلنے' منہ پر کوئی چھڑکنے اور بے کام کے تھک کر انگڑائیاں لینے اور معصومانہ انداز میں کھڑکیوں میں لٹکنے میں مصروف ہیں اور دالان میں ساری دوپہر ان کا نو وارد مہمان بجلی کا سوئچ بنانے میں مصروف کار رہتا ہے جسے دیکھے بغیر اسارہ کی موجودگی محسوس کر کے ٹماٹر کاٹنے میں شدت سے مصروف ہو جاتی ہے اور پھر اس کی نگاہیں اس چار دیواری سے باہر خلاؤں کو گھورتی ہیں۔ اس کے گالوں پر گزشتہ آنسوؤں کی نمی عود کر آتی ہے۔ اس کے ہونٹ یوں بند ہو جاتے ہیں جیسے ہچکی روک رہی ہو۔ اور سمیع کا بند بند شدید اذیت کے زیر اثر تڑپتا ہے۔ اس کی نسیں تن جاتی ہیں اور رگیں پھڑ پھڑاتی ہیں ۔۔۔۔۔۔۔ اور پھر وہ گھبرا کر نیچے کو بھاگتا ہے اور اپنے کمرے میں پہنچ کر چلاتا ہے۔ ''اب میں کیا کروں؟ اب میں کیا کروں؟'' اور پھر اسارہ چلتے چلتے رک جاتی ہے اور کان لگا کر سمیع کی آوازیں سنتی ہے اور اس کے ہونٹوں کی کراہ مسکراہٹ میں بدل جاتی ہے اور اس کی آنکھوں میں خلاؤں کی جگہ آبادیاں نظر آتی ہیں۔ اور مخملی زردی میں اطمینان کی ہلکی سی سرخی اس کے رخساروں میں جھلکتی ہے۔

پھر ایک روز جب سمیع اپنے کمرے میں صحرا نوردی کرتے کرتے اور ''میں یہ برداشت نہیں کر سکتا' نہیں کر سکتا'' کہتے کہتے ہار گیا تو وہ چپ چاپ سیڑھیاں چڑھ آیا اور دالان میں سوئچ بنانے کے لیے رکنے کی بجائے سیدھا باورچی خانے میں داخل ہو گیا اور اسارہ کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اسارہ کی چھوٹی بہن حسن آرا نے حیرانی سے ان کی طرف دیکھا۔ وہ ٹھٹکی اور پھر لپک کر کھڑکی میں لٹک گئی اور جھک کر نہ جانے کیا دیکھنے میں یوں کھو گئی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو جیسے سمیع اسارہ کے روبرو کھڑا ہی نہ ہو۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک ساعت کے لیے اسمارہ کے ہاتھ کانپے نہ جانے تعجب یا خوشی سے ۔۔۔۔۔۔۔ پھر وہ اٹھ بیٹھی اور منہ موڑ کر میز کے قریب کھڑی ہوگئی۔

''نہیں اسمارہ! نہیں' میں اسے برداشت نہیں کرسکتا۔ برداشت نہیں کرسکتا۔ میں یہاں نہیں رہوں گا۔ میں جا رہا ہوں۔ یہاں سے جا رہا ہوں' ہمیشہ کے لیے۔'' وہ غصے میں چلایا۔ ''اچھا ۔۔۔۔۔۔۔'' وہ بولی۔ اور اس کی نگاہوں میں تمام خلا از سر نو جذب ہو گئے۔ اس کے ہونٹ اور بھی بند ہو گئے۔ اس کا چہرہ اور بھی ستا گیا اور بال منہ پر ڈھلک آئے اور سیاہ بالوں میں وہ مخروطی چہرہ یوں دکھائی دینے لگا' جیسے کوئی چراغ سحری جھلملا رہا ہو۔

خدا کے لیے اسمارہ خدا کے لیے ۔۔۔۔۔۔۔ اس گھر کو چھوڑ دو۔ چلی چلو۔ بھاگ چلو اس گھر سے جہاں باپ کو بیٹی کے وجود کا بھی احساس نہیں' جہاں کسی کو احساس نہیں کہ لڑکی کی جوانی ٹماٹر کاٹنے میں بیٹی جا رہی ہے۔ جہاں تغافل حکمران ہے۔ بھاگ چلو اسمارہ!''

''کہاں؟'' وہ بولی' جیسے دور کسی نے چٹکی لی ہو۔

''کہیں' جہاں بھی جگہ ملے۔ میں یہ برداشت نہیں کرسکتا۔ میں اس تغافل کو برداشت نہیں کرسکتا' نہیں کرسکتا۔ بولو۔ اسمارہ!''

''برداشت'' اس کے ہونٹ ہلکی مسکراہٹ سے ہلے۔

''نہیں نہیں'' وہ چیخنے لگا۔ ''تم یہاں نہیں رہ سکتیں۔ بالکل نہیں۔ میں یہ نہیں دیکھ سکتا۔ میں یہ برداشت نہیں کرسکتا۔ ورنہ میں چلا جاؤں گا' ہمیشہ کے لیے۔ یہاں سے چلا جاؤں گا۔''

''ہوں!'' باورچی خانے میں ایک آہ تیرنے لگی۔ ''آپ کسی کے لیے کیوں دکھی ہوں۔ جائیے۔''

''یہ سن کر سیج خاموش ہو گیا' جیسے اس کے منہ میں زبان نہ رہی ہو۔ جیسے اس کی طاقت گویائی چھن گئی ہو۔ اس کے گرد ایک دھندلکا پھیل گیا۔ پھر وہ دھندلکا صاف ہو رہا تھا۔ باورچی خانے کی دیواریں واضح ہوئی جا رہی تھیں۔ چولہا' نعمت خانہ کھڑکی میں لٹکی ہوئی حسن آرا۔ اور یاں آخر میز کے پاس کھڑی اسمارہ اور وہ چونکا۔ ''میں کہاں ہوں' میں ۔۔۔۔۔۔۔ میں ۔۔۔۔۔۔۔ معاف کرنا میں ۔۔۔۔۔۔۔'' اور پھر چپ چاپ باورچی خانے سے باہر نکل' سیڑھیاں اتر کر اپنے کمرے میں بستر پر گر کر بڑبڑانے لگا۔ ''نہیں نہیں' میں نہیں جاؤں گا۔ میں اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا' نہیں جا سکتا۔''

''اس کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ دالان میں محراب تلے' سیڑھیوں میں' کوٹھے پر دودکش کی اوٹ میں اور

بال آخر سمیع کے چھوٹے کمرے میں ہر بار ملاقات پر وہ دیر تک انتظار کرتا رہتا اور جب مایوس ہو جاتا تو ہاتھ میں کشیدہ اٹھائے یا کوئی چیز سنبھالے اسمارہ چپکے سے ادھر آ نکلتی جیسے اتفاق سے آ گئی ہو۔ وہ یوں خاموش اور دبے پاؤں آتی تھی جیسے سورج کی پہلی کرن چپ چاپ کھڑکی کی درز سے داخل ہو کر اپنی آمد کا اعلان کئے بغیر فرش پر پھیلنے لگتی ہے اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ وہ داخل ہو چکی ہے۔

دفعتاً سمیع کو احساس ہوتا کہ وہ آ چکی ہے اور اس کے اس قدر قریب کھڑی ہے۔ اس پر وہ سرک کر پرے ہٹ جاتا۔ ''اسمارہ تم؟''

''جی'' ایک آہ اس کے کانوں پر منڈلاتی۔

''تم کتنی دکھی ہو اسمارہ؟''

اسمارہ کے ہونٹ اور بھی سمٹ جاتے۔

''میں تمہیں اس مصیبت سے کس طرح بچا سکتا ہوں اسمارہ؟''

''مجھے کیا معلوم؟'' قریب ہی کوئی کلی چٹکتی اور بند ہو جاتی اور ایک مدہوش کن خوشبو چھوڑ جاتی۔

''میں کیا کروں' اسمارہ کیا کروں؟'' وہ گویا اپنے آپ سے کہتا اور پھر اس کے جسم کا بند بند چٹختا اور اس کی نسیں انگڑائیاں لیتیں۔

''آپ میرے لیے اتنے دکھی ہیں؟''

''نہیں نہیں'' وہ چونک پڑتا۔ ''میں دکھی نہیں ہوں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے مجھے۔''

''جیسے جیسے۔۔۔۔۔۔ اب میں کیا بتاؤں' اسمارہ کیسے بتاؤں' سمجھ میں نہیں آتا۔''

''جیسے جیسے تمہارا دکھ میری۔۔۔۔۔۔ میری۔۔۔۔۔۔ جیسے وہ میری زندگی ہو۔ نہیں نہیں' جیسے' جیسے مجھے معلوم نہیں' مجھے معلوم نہیں' تم اتنی پیاری کیوں ہو اسمارہ؟''

''مجھے کیا معلوم؟'' اس کی کمانیں تن جاتیں' کشتیاں ڈولتیں۔

''میری زندگی میں ایک روشنی سی ہو گئی ہے۔ زرد چاندنی سی مخملی سنہری روشنی؟ کیوں؟'' وہ رک گیا۔ ''جانتی ہو؟''

''میں کیا جانوں؟'' اس کی ناک افق کی طرف اشارہ کرتی اور انجانے میں سرک کر وہ اس کے قریب تر ہو جاتی۔ اگر اس وقت وہ دونوں سمیع کے کمرے میں ہوتے تو اس قدر قریب ہو جاتی کہ سمیع کے گرد ایک زرد مخملی ہالہ بن جاتا گھبرا کر سمیع پیچھے ہٹنے لگتا تو الٹا اس کا گال مخملی زردی پر ٹنک جاتا۔

''تم کس قدر دکھی ہو اسمارہ؟''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''میں کیا کروں؟'' اسمارہ کے بازو دوپٹہ سنبھالنے کی کوشش میں الجھ جاتے۔ ''میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔'' سمیع کی گردن تھک کر لٹک جاتی۔

''اسمارہ؟'' ایک کراہ ابھرتی۔

''جی!'' ایک مخملی آہ تیرنے لگتی اور ڈولتی کشتیاں ڈوب جاتیں۔ ایک بند کلی چٹک جاتی۔ ''آپ میرا غم نہ کھائیں۔ اور پھر کھل کر پھول بن جاتی اور خوشبو کا ایک ریلا نکلتا۔ اور کمرے کی دیواریں زرد ہو کر دھندلا جاتیں اور چیزیں زرد مخملی دھاریوں میں بدل جاتیں۔ اور بالآخر ایک زرد مخملی قوس طلوع ہو جاتی۔

حالانکہ وہ دونوں پروفیسر قائم علی کے گھر کے وسیع ویرانے میں ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ حالانکہ گھر کے اس حصے میں حسن آرا کے سوا اور کوئی نہ تھا اور حسن آرا بھی وہ جو مناسب وقت پر کھڑکی میں لٹک کر باہر گلی میں دیکھنے کے مہذب فن سے پورے طور پر واقف تھی۔ حالانکہ احساس تقدس کی وجہ سے سمیع نے اسمارہ کے دکھی ہونے کی بات کسی سے نہ کہی تھی اور بالخصوص یہ کہ وہ سمیع اسمارہ تھے۔ جو ہمیشہ دل کی گہرائیوں میں جیتے ہیں۔ پھر بھی بات نکل گئی جیسے اسے نکل جانے کی عادت ہے۔ اور سمیع کو گھر سے تار آ گیا۔ جلدی پہنچو والدہ بیمار ہے۔'' وہ گھبرا گیا اور اس قدر گھبرایا کہ اس روز سے اسے دالان کا مرمت طلب سوچ بھی یاد نہ رہا۔ اور اسمارہ ٹماٹر کاٹ کاٹ کر ہار گئی۔ اور خلاف معمول وہ کمان ڈھیلے پڑ گئے اور کشتیاں قائم ہو گئیں۔ اور بند کلی کی پتیاں بکھر گئیں۔ اور وہ اٹھ کر باورچی خانے میں گھومنے لگی اور گھومتی پھرتی سیڑھیاں اتر گئی اور پھر سمیع کے کمرے سے ہچکیاں اور آہیں سنائی دیں۔ ''اماں بیمار ہے۔'' اور پھر ایک مخملی تھپک گونجی۔ ''آپ میرا غم نہ کھائیں'' -------''آپ میرا غم نہ کھائیں'' -------اور پھر سمیع اپنا ہینڈ بیگ اٹھائے باہر نکل گیا۔ اور حسن آرا کھڑکی سے لٹکتی ہوئی اسے دیکھتی رہی اور نعمت خانے کے قریب کھڑی اسمارہ کا ہاتھ لرزتا رہا۔

جب سمیع گھر پہنچا تو وہ گھبرا گیا۔ ماں چارپائی پر پڑی ہونے کے بجائے ہاتھوں پر مہندی لگائے تخت پوش پر بیٹھی تھی۔ بہنیں ڈھولک بجانے اور گانے میں مصروف تھیں اور والد انتظامات کرنے میں لگے تھے۔ انہوں نے سمیع کو دیکھا۔ ''تم آ گئے بیٹا' اچھا ہوا تم آ گئے۔ جاؤ اندر بیٹھو۔ آج تمہارا نکاح ہے۔''

دفعتاً بہنوں کا گیت بین میں بدل گیا۔ ماں کے ہاتھوں سے خون رسنا شروع ہو گیا۔ اس نے بصد مشکل اپنے آپ کو سنبھالا اور کمرے میں داخل ہو کر چارپائی پر گرا دیا۔ اور پھر ایک دھندلکا' ایک خونی دھندلکا اور اس دھندلکے میں دو ڈولتی کشتیاں' دو زرد پتوار آپ میرا غم نہ کھائیں۔ میرا غم نہ کھائیں' میں آپ -------''

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

نکاح کی رسم کے اختتام کے بعد وہ واپس آ گیا۔ لیکن اب وہ قائم علی کے گھر نہ جا سکتا تھا۔ کیونکہ رخصت کرتے وقت ماں نے صاف کہہ دیا تھا۔ ''وہاں نہ ٹھہرنا بیٹا' لوگ کیا کہیں گے۔ گاؤں والوں نے تو پہلے ہی ہمارا جینا محال کر رکھا ہے۔'' اماں نہ بھی کہتی تو وہ وہاں نہ جا سکتا تھا۔ کس منہ سے جاتا وہاں۔ وہ محسوس کر رہا تھا جیسے وہ مکان' وہ دالان' وہ زینہ اور وہ کمرہ اس پر انگلیاں اٹھا رہے تھے۔

''وہ۔۔۔۔۔۔۔۔وہی ہے وہ!''

اسٹیشن سے اتر کر وہ سیدھا بورڈنگ پہنچا اور اپنے کمرے میں دھم سے چارپائی پر گر گیا۔ ''میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔'' اور برداشت کرنے کی شدید کوشش میں اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

ایک روز جب وہ کتابوں' الماریوں اور کھڑکیوں کو بآواز بلند برداشت نہ کرنے کی دھمکی دے رہا تھا۔ تو اس کا پڑوسی دوست راز چپکے سے اطلاع کئے بغیر اندر آ گھسا۔

''تمہاری قوت برداشت کے کیا کہنے ہیں' سمیع!'' راز نے ہنس کر کہا۔

''ہائیں تم؟'' سمیع گھبرا گیا۔

''اس احتجاج کے باوجود تم برداشت کئے جا رہے ہو۔''

''نکل جاؤ میرے کمرے سے باہر نکل جاؤ۔'' وہ چلایا۔ ''میری اجازت کے بغیر تمہیں اندر داخل ہونے کی جرات کیسے ہوئی؟''

''تمہاری قوت برداشت پر مجھے اعتماد ہے۔'' راز کی آواز میں بلا کی طنز تھی۔ سمیع اس کی طرف جھپٹا اور پھر' پھر نہ جانے کیا ہوا۔ دفعتاً وہ رکا اور راز کے شانے پر سر رکھ کر رونے لگا۔ ''اس نے مجھے پاگل کر دیا ہے راز' پاگل کر دیا ہے۔ لیکن کتنی پیاری ہے وہ' کتنی پاکیزہ راز۔ صرف ایک بار راز' صرف ایک بار' ایک بار مجھے اس سے ملا دو۔۔۔۔۔۔۔صرف ایک بار۔'' اور پھر کئی دن تک سمیع کے کمرے میں منتوں کی آواز آتی رہی۔ ''صرف ایک بار۔''

اور راز کی وساطت سے وہ دونوں ایک بار ملے' اسی جبشی باغ میں' فوارے کے قریب۔

اس روز مطلع غبار آلود تھا۔ آسمان پر مٹیالے بادلوں کی دھول اڑ رہی تھی۔ ہوا میں مٹی کے ذرات آوارہ تھے۔ زرد ٹہنیاں سرسبز پتوں کو تھپک رہی تھیں۔ فوارہ ٹپ ٹپ آنسو بہا رہا تھا۔ اور وہ پتھریلے معصوم بچے ایک دوسرے سے منہ موڑے بسور رہے تھے۔ اور فوارے تلے اسما رہ کمان تانے بیٹھی تھی اور دوسرے بنچ پر سمیع بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ اور دونوں بنچوں کے درمیان راز سرگرداں تھا اور خمیدہ ٹہنیاں مڑ مڑ کر جھانک رہی تھیں اور لمبی گھاس کے زرد ڈنٹھل سرگوشیاں کر رہے تھے۔ اور باغ کی روشیں دور دور سے آ کر ان

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے گرد حلقہ کیے ناچ رہی تھیں۔

''اس سے کہہ دو راز میں گردن زدنی ہوں۔ میں مجرم ہوں۔ گنہگار ہوں۔ لیکن نہیں' اس سے کچھ نہ کہو۔ مجھے اب اسے پیغام بھیجنے کا کوئی حق نہیں۔''

''نہیں نہیں' راز اس سے کہہ دو میری صرف ایک بات مان لے۔ میری آخری التجا۔ آخری اسے کہہ دو کہ وہ مجھ سے نفرت کرے۔ نفرت' میں اسی قابل ہوں اسی قابل۔ سمیع نہ جانے کیا بڑبڑا رہا تھا۔ اور راز حیرانی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دو کھنچی ہوئی کمانیں۔ ڈولتی کشتیاں۔ ایک بجھا بجھا سا زرد مگر جھلس دینے والا شعلہ۔ اسے سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کہاں ہے' کون ہے' کیوں ہے۔ ایک مدہوشی' ایک مسلسل دھنکی مدھم مگر پیہم اور وہ ٹپ ٹپ کرتے آنسو۔ پتھر کے سرخ کٹورے سے گرتے ہوئے آنسو اور وہ درختوں' پتوں' ٹہنیوں کا دھندلکا اور اس میں کمان کی طرح کھنچی ہوئی وہ زرد مخملی پر نرم قوس۔ دفعتاً دو زرد بازو سیاہ ریشمیں درخت سے بل کھاتے ہوئے نکلے اور اس کی طرف بڑھے۔ اس کے شانے چاٹنے لگے جن کے لمس سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور گردن سے تڑاخ سی آواز آئی۔ اور اس کا سر کٹ کر اڑا اور شاخ سے لٹکنے لگا۔ اور دفعتاً اس حیران کن طلسمی منظر میں ایک مفہوم پیدا ہو گیا۔ وہ ویرانہ آباد ہو گیا۔ اور اس گھٹے گھٹے ماحول میں کائنات کی وسعتیں انگڑائیاں لینے لگیں۔

پھر فضا میں ایک رنگین آہ گونجی۔ ''ان سے کہہ دو راز وہ میرا غم نہ کھائیں۔''

''نہیں نہیں'' پاس ہی سمیع کی آواز گونجی۔ راز نے بصد مشکل سر اٹھایا۔ اسمارہ پر سمیع جھکا ہوا تھا۔ ''نہیں نہیں' میں تمہارے سامنے نہیں آ سکتا۔ تمہیں منہ نہیں دکھا سکتا۔ میں مجرم ہوں' تمہارا مجرم ۔۔۔۔۔۔ ان آنکھوں کو نکال دو اسمارہ!'' اس نے اس کا بازو کھینچ کر اپنے منہ پر رکھ لیا۔ نکال دو اس سر کو کاٹ دو جو تسلیم میں خم ہو گیا ہے۔ سمیع کا سر جھک کر اسمارہ کی گود میں ڈھیر ہو گیا جیسے کٹ گیا ہو۔

پتھر کے معصوم بچے تالیاں بجانے لگے۔ زرد مخملی قوس نے بھورے بادل کو تھام لیا اور شام نے اپنے سیاہ پردے کھول دیئے۔ پھر وہ دونوں باغ میں ملنے لگے۔

اسمارہ سیر کی غرض سے اتفاقاً ادھر آ نکلتی اور فوارے کے قریب پہنچ کر تھک جاتی اور بنچ پر بیٹھ کر سویٹر بننے لگتی اور سمیع دوسرے بنچ پر بیٹھ کر فلکیات کی کتاب کھول لیتا۔ پھر اتفاق سے راز آ پہنچتا جسے دیکھ کر اسمارہ کی انگلیاں اور بھی تیز ہو جاتیں۔ اور کمانیں اور بھی تن جاتیں اور سمیع حیرانی سے چلاتا۔ ''تم راز تم یہاں؟'' اور راز کے شانوں کو سانپ چاٹتے اور اس کا سر بھن سے اڑ جاتا جیسے پٹاخے کو آگ دکھا دی گئی ہو۔ اور پھر درخت کی بل کھاتی ٹہنیوں سے لٹکتے ہوئے وہ پتھر کے ان معصوم بچوں کی مدھم سرگوشیاں سنتا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''ہاں پیارے' اور تم بھی کچھ کچھ عجیب۔۔۔۔۔۔۔''

پھر وہ دونوں چپ چاپ بورڈنگ پہنچتے۔ راز اور سمیع۔ اور سمیع چلانے لگتا۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھ سے اس کا دکھ دیکھا نہیں جاتا۔ اس کی ویرانی۔ اس کی تنہائی۔ میں خود تلاش کروں گا۔ وہ کتنا خوش نصیب ہو گا۔ جسے اسمارہ حاصل ہو جائے گی۔ وہ کتنا خوش نصیب ہو گا۔ کتنی پاکیزہ ہے وہ کتنی بلند' کتنی معصوم!!!

بال آخر وہ دن آ گیا جب وہ اس خوش نصیب کو دیکھ سکتا تھا۔ جسے اسمارہ حاصل ہو رہی تھی۔ وہ اس کے بدن کو چھو سکتا تھا اس کی زرنگار چپلی کو تھام سکتا تھا جو رکاب میں ٹکی ہوئی تھی۔ کتنی خوبصورت چپلی تھی وہ اور اس کے دو بڑے بڑے سے ہاتھ جن میں گھوڑے کی لگام تھامی ہوئی تھی۔ ان ہاتھوں کو اسمارہ کو چھونے' اسے تھامنے اور تھپکنے کا حق حاصل ہونے والا تھا۔ ان پاؤں کو اس کی طرف چل کر جانے کی آزادی مل رہی تھی۔ لیکن وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکتا تھا جسے پھولوں کی لمبی لمبی لڑیاں ڈھانپے ہوئے تھیں۔ ''شکر ہے راز' وہ چلایا' شکر ہے۔ نغمے کو سامع مل گیا۔ کتنی خوشی کی بات ہے۔ کاش میں اس خوش نصیب کا چہرہ دیکھ سکتا۔''

لیکن چہرہ دیکھ کر وہ مایوس ہو گیا۔ اس نے ایک جھرجھری محسوس کی' ایک نفرت بھری جھرجھری۔ اور وہ راز کی طرف بھاگا۔ ''راز! وہ۔۔۔۔۔۔۔وہ'' وہ ہانپ رہا تھا۔ ''وہ تو گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ خون سے بھرا ہوا لوتھڑا۔ ایک روغنی طنبورہ جس میں کوئی تار نہیں جو تاروں سے واقف ہی نہیں۔ وہ ایک ہجوم ہے راز ایک شور و غل سے بھرا ہوا ہجوم' وہ تنہائی اور خاموشی کے نغمات سے بے بہرہ ہے۔ راز میں مجرم ہوں۔ میں مجرم ہوں۔ میں نے اسے تباہ کر دیا' تباہ کر دیا۔'' اور پھر کئی ایک دن اس کے کمرے سے آہوں اور کراہوں کی آوازیں آتی رہیں۔ پھر کمرے سے بہ آواز بلند فلکیات کا ورد سنائی دینے لگا جیسے کوئی رو رہا ہو چیخ رہا ہو۔ کائنات سے شکایت کر رہا ہو اور پھر اس کے لیے کمرے میں بند رہنا ناممکن ہو گیا اور وہ حبشی باغ کے اس کونے میں بیٹھ کر فلکیات کا ورد کرنے لگا۔ ''ہائیں'' مخملی آہ سن کر وہ چونکا' سامنے بنچ پر اسمارہ بیٹھی سویٹر بن رہی تھی۔ وہ اٹھ بیٹھا۔ ''تم' تم یہاں!!! تم چلی جاؤ۔ یہاں سے چلی جاؤ۔'' وہ اس کی طرف جھپٹا۔ ''چلی جاؤ' تم کسی اور کی ہو۔ تمہیں یہاں آنے کا کوئی حق نہیں۔'' اور اسمارہ کی کمانیں تنی رہیں' کشتیاں ڈولتی رہیں اور وہ چپ چاپ سویٹر بننے میں مصروف رہی۔ وہ چلاتا رہا۔

حتیٰ کہ تھک گیا۔ اس کی گردن جھک گئی اور لٹکتے لٹکتے مخملی زردی کی جھیل میں ڈوب گئی اور دو سنہرے بازو نکل کر اسے تھامنے میں مصروف ہو گئے۔ ''آپ میرا غم نہ کھائیں' میرا غم نہ کھائیں آپ'' اور پھر آہستہ آہستہ فضا پر خاموشی چھا گئی اور اس خاموشی کے نغمے سے بے خود ہو کر پاس والی جھاڑی سے راز باہر نکل آیا اور اس میں تنی ہوئی کمان کے روبرو مجرم کی طرح بیٹھ گیا۔ ''تم ان سے کہہ دو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

راز۔۔۔۔۔۔۔" ایک سنہری آواز گنگنائی۔ اور سیاہ جھاڑی سے زرد سانپ نکلے اور راز ضحاک بن گیا۔ پھر ایک پٹاخہ۔۔۔۔۔۔۔ اور راز فضا میں تحلیل ہو گیا۔ اور سبز درختوں میں بھوری شاخیں بل کھانے لگیں۔ اور فوارے نے اپنے بال بکھیر کر "حال" کھیلنا شروع کر دیا۔

ہاں حبشی باغ کے اس ویران حصے میں اب بھی آتے ہیں۔ فلکیات کا وہ طالب علم جواب فلکیات کے محکمہ میں ملازم ہے اور اس کا دوست راز جسے ضحاک بننے کی لت پڑ چکی ہے اور گلابی' اضطرابی انگلیوں والی اسمارہ!

اور ان کے وہاں آتے ہی بھوری ٹہنیاں بل کھا کر باہر نکل آتی ہیں۔ جھاڑیاں دب کر بیٹھ جاتی ہیں۔ اور سرخ پتھر کا فوارہ اچھل اچھل کر جھانکتا ہے اور معصوم بچے سرگوشیاں کرتے ہیں۔

"۔۔۔۔۔۔ہاں پیارے اور تم بھی کچھ عجیب عجیب!"

◆◆◆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

# راں ڑیاں

''ہائیں۔۔۔۔۔۔!پھول دار لہنگے والے نے مونچھیں مروڑتے ہوئے کہا''سچ؟''

''ہاں''بڈھے نے داڑھی جھاڑ کر کہا۔''سب کارکھ رکھاؤ اکیلی کرے ہے وہ بدراں۔''

''گھر میں کوئی نہیں کیا؟''

''سبھی کھیت پر رہیں ہیں۔بھائی' باپو چاچا۔۔۔۔۔۔ساری بستی میں چار ایک مرد ہوں گے۔ویسے تو آتے جاتے رہتے ہیں ہفتے میں ایک بار۔''

''اچھا''نوجوان ہنسا۔۔۔۔۔۔''معلوم ہوتا ہے انہیں کوئی ملا نہیں۔''

بڈھا قہقہہ مار کر ہنسا۔''میاں یہ راں ڑیاں ہے۔۔۔۔۔۔راں ڑیاں سمجھے۔۔۔۔۔۔؟''وہ پھر ہنسنے لگا۔اپنے چودھری کا گھر سونے سے بھرا ہے۔پر یوں سمجھو جیسے مندر میں مورتی۔کسی کی کیا مجال ہے کہ آنکھ اٹھا کر دیکھے۔لو وہ رہا کنواں۔درختوں کے اس جھنڈ میں ہے۔پی لو پانی جا کر اس جھنڈ میں۔اللہ بیلی۔''یہ کہہ کر بڈھا ڈنڈی پر اتر گیا۔

''بدراں۔۔۔۔۔۔!''نوجوان مسکرا دیا۔لہنگا سوار کر مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے زیر لب بولا''راں ڑیاں کی بدراں۔''

''راں ڑیاں' ہو اوراں ڑیاں آں آں۔''

دور کہیں سے پہاڑی کی تان سنائی دی۔

''جس جاں ڑیاں' اوس نہ ماں ڑیاں۔جس ماں ڑیاں' ان جاڑیاں۔''

''راں ڑیاں۔ہو اوراں ڑیاں۔آں آں۔''

چناب کے شمال مغرب میں چلے جاؤ تو پتن وال سے آگے درختوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے اور قد چھوٹا۔درختوں کے جھنڈ اور گاؤں سرک سرک کر دور ہٹتے جاتے ہیں۔زمین پتھریلی ہوتی جاتی ہے اور مٹی کا رنگ لاکھا۔یہ علاقہ پلپھی کا ہے جس کے عین وسط میں راں ڑیاں کا گاؤں آباد ہے۔

گاؤں کے ارد گرد خود رو گلابڑی کی جھاڑیاں دیکھ کر یقین نہیں پڑتا کہ اس زمین میں کاشت کرنے کے لئے اس قدر مشقت کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

ضرورت پڑتی ہوگی' لیکن وہاں کے مردوں کو دیکھ کر اجنبی راہ گیر ایک ساعت کے لئے رک جاتے ہیں۔ اونچا لمبا قد' ابھرتی چھاتی' فراخ شانے' پٹھوں میں موروثی جدوجہد کا تناؤ' آنکھ میں ردعمل کی جھلک ۔۔۔۔۔۔ شاید کامیابی۔ اور عورتوں کو دیکھ کر بھی دیکھتے نہیں۔ چونکہ وہ پردہ وردہ نہیں جانتیں' لیکن وہی تناؤ' قدوقامت۔ شاہانہ چال' نڈر آنکھیں جو شرما کر کسی دعوت دینے کے فن سے بیگانہ ہیں اور بھرا بھرا امیار جسم گھبرا کر یا سمٹ کر راہ گیر کی توجہ اکسانے سے بے نیاز ہے ان کی آنکھ چھلکی ہوئی ہونے کے باوجود چھلکتی نہیں۔ سرخ ہونے کے باوجود گال شرم سے تمتماتے نہیں۔ شاید راں ڑیاں کے مردوں نے ان کے نسوانی پہلو کو عریاں دیکھا ہو۔ لیکن اجنبی ۔۔۔۔۔۔ اجنبی کو تو وہ یوں دیکھتی ہیں جیسے سڑک پر گڑا ہوا کھمبا۔ شاید اسی لئے اس علاقے کی عورتوں کو راں ڑیاں کہتے ہیں۔ بہرحال پلپھی کی عورتیں واقعی راں ڑیاں ہیں اور راں ڑیاں کی ہر عورت ملکہ۔

وہ سرمہ' سیندور اور اخروٹ کے چھلکے کی شوقین ہیں۔ رنگ دار کپڑوں کی دالدہ اور خوشبو ۔۔۔۔۔۔ خوشبو سے تو انہیں عشق ہے عشق۔ حتیٰ کہ لونگ ابالے پانی بغیر نہاتی نہیں۔ شاید اسی لئے انہیں راں ڑیاں کہا جاتا ہے۔ لیکن اس نفیس مزاجی کے باوجود ان کے انداز میں نسائی نمائش نہیں' دعوت نہیں۔ جیسے مندر ہو مورتی ہو پوجا کا سامان ہو' سیس نوانے کی آ گیا نہ ہو۔

شاید ان کا ''عورت'' کو چھپائے رکھنا تلاش پر مائل کرنے کا انوکھا انداز ہو لیکن راں ڑیاں کے مرد متلاشی دکھائی نہیں دیتے۔ ان میں جستجو کی بے تابی نہیں بلکہ پالینے کا نشہ ہے۔ وہ عموماً اپنی زمین پر رہتی ہیں۔ انہیں اس پتھریلی زمین کو تسخیر کرنے کا شوق ہے اور اپنی رنگین مگر سنگین راں ڑیاں پر بھروسہ ہے۔

قاسو پہلی مرتبہ اس علاقہ میں آیا تھا۔ ویسے تو بیلی پر سوار ہو کر رات رات میں سو سو میل کا سفر کرنا اس کا شغل تھا' لیکن عموماً پو پھوٹنے سے پہلے وہ اپنے گاؤں میں واپس پہنچ جایا کرتا تھا۔ جاکھڑاں کے گردونواح میں کون تھا جو قاسو اور بیلی کو نہ جانتا تھا لیکن وہ سب اس کے متعلق اظہار خیال کرنے سے گریز کرتے تھے۔ بہرحال ہر کوئی کوشش کرتا کہ قاسو کے بارے میں لاعلمی ظاہر کرے۔ آدھی رات کو لوگ بیلی کا ہنہنانا سنتے' ٹھٹک جاتے اور پھر معاملات ٹالنے کے لئے کوئی موضوع چھیڑ دیتے۔ پو پھٹتے وقت ہل چلاتے ہوئے کسان قاسو کی تان سن پاتے تو دوسری جانب منہ موڑ کر شدت سے کام میں مصروف ہو جاتے۔ ''تت تا ۔۔۔۔۔۔ تاتا'' چلتے ہوئے بیلوں کو ہانکنا شروع کر دیتے۔ عورتیں معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسری کی طرف دیکھتی ڈر کر دونوں ہاتھوں سے سینہ تھام لیتیں اور بالآخر مسکرا کر دہی بلونے میں مصروف ہو جاتیں۔

اس روز قاسو اور بیلی توسار کی جانب آئے۔ بھیلی پورہ کے پاس جہاں سے توسار کو ڈنڈی نکل جاتی ہے' قاسو نے بیلی کو موڑنے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے لئے لگام کھینچی لیکن خلاف معمول بیلی اڑ کر کھڑا ہو گیا۔ قاسو نے دوسری مرتبہ اسے موڑا تو وہ بدک کر رک گیا۔ قاسو نے غصے میں ایڑ لگائی۔ تو بھی اپنی جگہ سے نہ سرکا۔ پھر نہ جانے کیا خیال آیا۔ قاسو نے اسے گردن پر تھپکی دی اور بولا "اچھا بیلیا! تیری مرضی نہیں تو نہ سہی۔ آج قاسو بیلی کی مرضی پر چلے گا۔" یہ کہہ کر اس نے لگام ہاتھ سے پھینک دی اور بیلی ہوا ہو گیا۔ اندھیرے میں قاسو کو معلوم نہ تھا کہ وہ کدھر جا رہا ہے۔ لیکن اسے یقین تھا کہ بیلی اسے واپس لے آئے گا۔ اس لئے وہ بے پرواہی سے بیٹھا رہا۔ حتیٰ کہ وہ راں ڑیاں آ پہنچے۔ بیلی رک گیا اور قاسو نے پگڑی سر تلے رکھی اور سو گیا۔ شام کو وہ جاگا تو اسے بڑی شدت کی پیاس لگی تھی۔ پانی پینے کے لئے خشک درختوں کے اس ویران جھنڈ سے باہر نکلا تو اس بڈھے سے ملاقات ہو گئی۔

"راں ڑیاں ــــــ ہوراں ڑیاں"

"کن جاں ڑیاں نے کن ماں ڑیاں"

پانی پینے کے بعد مونچھ مروڑتا ہوا وہ گاؤں کی طرف چل دیا۔

قاسو ڈیوڑھی سے ہوتا ہوا ایک کھلے صحن میں پہنچا۔ "چودھری!" اس نے آواز دی۔ "کون ہے؟" بدراں نے سرسری طور پر آواز دی اور چرخہ کاتنے میں لگی رہی۔ قاسو نے سر اٹھا کر دیکھا۔ سفید سفید بھرے ہوئے ہاتھ میں تاگا اور حرکت میں بے نام سی لچک ــــــ نسائیت کا پتہ دے رہے تھے۔ سر اٹھائے بغیر بدراں نے دوپٹے کو سرکا کر ماتھا ڈھانپ لیا اور بولی "کون ہے؟"

"پیاس لگی ہے۔" قاسو دروازے میں کھڑا ہو گیا۔

وہ اٹھ بیٹھی "لسی پیو گے ویر یا دودھ؟"

"لسی" قاسو نے اس کے ہاتھ کی چوڑیوں کو گھورتے ہوئے کہا۔

"بیٹھ جاؤ ویر" بدراں نے اس کی طرف دیکھے بغیر پیڑھی ادھر سرکا دی اور گڑوا اٹھا چاٹی کے قریب جا بیٹھی۔ اس نے اتنی بڑی چاٹی کو یوں اٹھا لیا گویا وہ تنکوں کی بنی ہو "میٹھا گراؤں یا نمک' کیوں ویر؟"

"نہیں نہیں' نمک نہیں" وہ چونک کر بولا۔

اجنبی کی آواز میں اضطراب کی جھلک پا کر اس نے آنکھ اٹھا کر پہلی مرتبہ غور سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ٹکٹکی باندھے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس بات پر بدراں کے ماتھے پر تیوری پڑ گئی۔ "میٹھا ڈال دوں؟" وہ منہ موڑ کر بولی۔

"نہیں" قاسو نے جواب دیا۔ "ایسے ہی دے دے۔"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

بدراں نے منہ موڑے بغیر گڑوا ادھر بڑھا دیا۔ دو ایک ساعت وہ یونہی گڑوا لئے کھڑی رہی۔ لیکن اجنبی نے گڑوا نہ پکڑا۔ بدراں نے مڑ کر دیکھا' وہ حریص نگاہوں سے اس کے کڑوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ مسکرا دی۔ ماتھے کی تیوری اتر گئی۔ ''لے ویر لسی'' وہ بولی۔ گڑوا دے کر وہ اپنی جگہ پر آ بیٹھی اور آنکھ بچا کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ گڑوے کے کنارے کی اوٹ لے کر مکان کا جائزہ لے رہا تھا۔

''پردیسی ہو ویر؟'' بدراں نے سرسری طور پر پوچھا۔ ''کہیں دور جانا ہے؟''

''نہیں نہیں' ادھر ہی کام تھا۔''

''راں ڑیاں میں؟''

''ہاں ہاں' یہاں پاس ہی ادھر۔''

''اب روٹی کھا کر ہی جانا ویر۔''

''روٹی۔۔۔۔۔۔نہیں نہیں' مجھے جلدی ہے۔'' غٹا غٹ لسی پی کر وہ کھڑا ہو گیا۔ ''یہ لو'' اس نے گڑوا بڑھایا۔

وہ بیٹھی رہی۔ غالباً وہ اسے دعوت دے رہی تھی کہ گڑوا زمین پر رکھ دے لیکن اسے منتظر دیکھ کر بدراں کو اٹھنا ہی پڑا۔ گڑوا پکڑاتے ہوئے اس نے آخری مرتبہ اس کے کڑوں پر نگاہ ڈالی۔

''پسند ہیں ویر؟'' وہ خشک لہجے میں بولی۔

''کیا؟'' وہ چونکا۔

وہ کڑے اتارنے لگی۔ ''یہ کڑے۔۔۔۔۔۔میری طرف سے اپنی گھر والی کو دے دینا۔ میری بھابی کو۔''

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ ''تکلیف نہ کرو' کڑوں کی کیا کمی ہے۔ گھر والی بھی ہو۔''

''کمی نہیں ویر تو اس کام کا فائدہ؟''

''کون سا کام؟''

''میری مانو تو یہ کام چھوڑ دو۔''

وہ پھر ہنسا۔ ''ہم باکھڑاں والے دان نہیں لیتے۔ ہاتھ کا کمایا کھاتے ہیں۔'' اس نے بازو دکھاتے ہوئے کہا۔

''اسے ہاتھ کا کمایا نہیں کہتے ویر۔''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''اپنا اپنا کام ہے۔ اپنی اپنی بولی۔ تجھے زیادہ فکر ہے تو لا پلا دے نمک والی لسی۔'' اس نے معنی خیز انداز سے کہا۔ ''پھر تو تسلی ہو جائے گی۔''

بدراں کی آنکھیں انگارہ ہو گئیں۔ ''میں راں ڑیاں ہوں ویر۔ ہم تسلی نہیں چاہتے' تسلی دیتے ہیں ہم۔ میں نے تجھے ویر کہا ہے' میں پھر بھی لحاظ کروں گی تیرا راں ڑیاں میں اور کسی نے تجھے ویر نہیں کہا۔ ٹھہر ذرا۔۔۔۔۔۔ ادھر آ'' اس نے قاسو کو للکارا۔ وہ ایک بچے کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ بدراں نے صندوق کھولا۔ ''یہ دیکھ۔۔۔۔۔۔ یہ چوڑیاں' چوک' ہنسلی تعویذ۔'' اور اس نے کڑے اور ہار اتار کر وہیں ڈھیر کر دیئے۔ پھر جلدی جلدی قفل لگا کر چابی طاقچہ میں رکھ کر بولی ''یہاں ہو گی چابی۔ اندر والے صندوق سب کھلے ہیں' دروازے کھلے ہوں گے۔ میں وہاں سوتی ہوں' اس پلنگ پر۔۔۔۔۔۔ اکیلی۔ جب تیرا جی چاہے' آ جائیو ویر۔ صرف جاتے ہوئے مجھے جگا دینا۔ پھر اگر تو گٹھڑی باہر لے جائے تو تیری اور اگر تو یہاں آنے سے پہلے کسی اور جگہ یہ کام کرے تو اپنے باپ کا نہ ہو گا۔ سنا تو نے؟''

''عورت کے ساتھ شرط باندھوں؟'' وہ ہنسا

''عورت۔۔۔۔۔۔'' وہ ہنسی۔ ''یہ راں ڑیاں ہے ویر' راں ڑیاں۔''

''راں ڑیاں۔۔۔۔۔۔ ہوراں ڑیاں''

دور کسی کے گانے کی آواز آئی۔ وہ چونکا۔ جیسے کسی نے اس کی مردانگی کو للکارا ہو۔

بدراں نے سر اٹھایا اور یوں تن کر کھڑی ہو گئی جیسے لڑائی کا ڈھول سن کر بولی ''سورما! جب تیرا جی چاہے آ جائیو۔''

دیوار پھاندنے سے پہلے اسے خیال آیا۔ بھلا آزماؤں تو سہی۔ کیا وہ سچ کہتی تھی۔ کیا واقعی دروازہ کھلا ہے اور وہ دروازے کی طرف چلا۔ اف کس قدر اندھیری ہے یہ رات۔ اس نے سوچا۔ آخر عورت ہے نا۔ مسکرا کر اس نے پٹ پر انگلی کا دباؤ دیا۔ دروازہ کھلا تھا۔ ہوں۔۔۔۔۔۔ کتا ہو گا۔ کتا۔۔۔۔۔۔! وہ پھر مسکرایا اور اندر داخل ہو گیا۔ آہٹ کرنے کے باوجود کوئی آواز نہ آئی۔ اونہوں۔۔۔۔۔۔ اس نے سر ہلایا۔ طاقچہ پر دیا ٹمٹما رہا تھا۔ پلنگ پر چادر لپیٹے وہ سو رہی تھی۔ اس کے علاوہ مکان خالی پڑا تھا۔ دیئے کے پاس صندوق کی چابی دیکھ کر اسے حیرانی ہوئی۔

گٹھڑی باندھ کر وہ بدراں کے سرہانے آ کھڑا ہوا۔ فضول بے آرام کرنا۔۔۔۔۔۔ اس نے سوچا۔ جگا بھی دوں تو کیا فرق پڑ جائے گا۔ معاً اسے خیال آیا کہ وہ کس قدر نڈر تھی۔ ورنہ یوں بے فکر گہری نیند میں پڑے رہنا آسان کام نہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

قاسو نے بدراں کی بائیں کلائی پکڑ کر اسے بلایا۔ بدراں نے کروٹ بدلی لیکن اس کی آنکھ نہ کھلی۔ دوبارہ قاسو کے جھنجھوڑنے پر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک ساعت کے لیے جوں کی توں پڑی رہی۔ پھر اس نے لپک کر دائیں ہاتھ سے قاسو کی کلائی پکڑ لی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بولی "اب اگر تو کلائی چھڑا لے تو وہ گھڑی تیری ہے۔"

وہ ہنس پڑا اور بے پرواہی سے ہاتھ چھڑانے کے لئے جھٹکا دیا۔ لیکن بدراں کی گرفت اور بھی آہنی ہو گئی۔ ابھی وہ دوسرا جھٹکا دینے کی سوچ رہا تھا کہ بدراں نے کلائی مروڑ کر اسے چارپائی پر گرا لیا۔ "آرام سے بیٹھ کر ویر۔" وہ بولی "لے اب چھڑا۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے کلائی پکڑ کر کہا۔

قاسو غصے سے آگ بگولا ہو گیا لیکن بدراں کی گرفت بلا کی تھی۔

ایک بار پھر وہ چلائی۔ قاسو نے دوسرے ہاتھ سے اسے پکڑنے کی کوشش کی۔ اس بات پر وہ بھوکی شیرنی کی طرح اٹھ بیٹھی۔ "افسوس ہے کہ میں نے تجھے ویر کہا ہے ورنہ۔۔۔۔۔۔" اس نے قاسو کو دھکا دیا اور وہ لڑکھڑا کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ کچھ دیر کے لئے وہ خاموش کھڑا رہا۔

"میں تو تجھے آزما رہا تھا۔" قاسو نے اپنا انداز بدلا۔

"تو آزما دیکھا۔" وہ اکڑ کر بولی۔

"تو نے مجھے ویر کہا ہے۔" وہ مسکرایا

"ہاں" وہ بولی "ورنہ۔۔۔۔۔۔"

بجلی کے ہنہنانے کی آواز سن کر وہ چونکا "اچھا میں جاتا ہوں۔"

"قول دے پہلے۔" وہ مسکرائی۔

"اونہوں۔۔۔۔۔۔" اس نے سر ہلایا "مجھ سے نبھایا نہ جائے گا۔"

"اچھا" وہ سوچ کر بولی "نہ سہی"

"ادھر نہ آؤں گا کبھی راں ڑیاں کو۔"

"تو دودھ پی کر جا۔"

"ضروری ہے کیا؟"

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

''ہاں'' وہ بولی ''یا قول دے یا دودھ پی کر جا' یہاں کی ریت ہے۔''

''اچھا'' وہ بیٹھ گیا ''لا دودھ''

بدراں اٹھ کر کاڑھنی کی طرف چلی۔ ڈول میں دودھ ڈالا۔ پھر اندر جا کر شکر تلاش کرنے لگی۔ شکر کے علاوہ دودھ میں سبز سا سفوف گھول کر لے آئی۔ قاسو نے اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔

''اونہوں' زہر نہیں۔'' وہ بولی ''ویر کو زہر نہیں دیتے۔''

''اچھا' راں ڑی'' وہ بولا ''جو چاہے دے دے' اب کیا ہے۔'' اور غٹا غٹ پی گیا اور پھر ''اللہ بیلی'' کہہ کر وہ صحن کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

جا کھڑاں کے لوگ چند دن تو خاموش رہے۔ پھر دبی باتیں شروع ہو گئیں۔ کسی نے کہا ''میں کہتی ہوں تم نے سنا کچھ؟ اب تو بیلی ساری رات گلیوں میں ہنہناتا رہتا ہے۔'' کوئی بولی ''اچھا نہ ہو گا' اللہ مارا'' تیسری نے کہا ''اوں۔۔۔۔۔۔ اچھا نہ ہو گا' بھلا چنگا پھرتا ہے۔''

رات کے وقت ہر آہٹ پر کسانوں کے کان کھڑے ہو جاتے۔ پھر کوئی بول اٹھتا ''اوہ۔۔۔۔۔۔۔ یہ تو بگلی چلا رہی ہے۔ صبح سویرے پو پھوٹنے کے وقت وہ متوقع نظروں سے دیکھتے اور پھر دارے میں جا کر چہ میگوئیاں کرتے۔'' چھوڑ دیا اپنا کام۔ بھئی اللہ ہی جانے۔ کہتے ہیں رات بھر پیر جیلانی کے روضہ پر سویا تھا۔'''' بس یہ تو پتے کی کی تو نے' اجی بڑی کرامتے والے ہیں وہ۔''

ہر جگہ قاسو کی بات چھڑ جاتی۔ اس ہر بات میں قاسو کی اس تبدیلی کا ذکر نکلتا۔ قاسو کے متعلق پہلے جس قدر چپ رہتے تھے' وہ اب اسی قدر زیادہ باتیں کرنے لگے۔

قاسو کا بھائی ماجو آپ حیران تھا۔ اگرچہ قاسو کے دھندے کے حق میں نہ تھا مگر اب اس کے اسے چھوڑ دینے پر یوں چڑ گیا جیسے اسے قاسو کی وہ تبدیلی اچھی نہ لگی ہو۔ یا شاید اسے یہ شکایت تھی کہ قاسو نے اپنے بھائی سے ساری حقیقت کہہ دی۔

''لیکن آخر تھا کیا اس دودھ میں؟'' ماجو نے پوچھا۔

''معلوم نہیں'' قاسو نے آہ بھر کر کہا۔ ''جب سے بدن میں جان نہیں' ہمت نہیں رہی۔''

''ہمت نہیں رہی؟''

''ہاں جیسے چوڑیاں پہن لی ہوں میں نے۔'' وہ زہر خند ہنسا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لیے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''کیوں عورت بن گئے ہو کیا؟''

''اس سے بھی بدتر۔'' قاسو نے شرم سے سر جھکا لیا۔

''قاسو۔۔۔۔۔؟'' ماجو حقیقت حال جان کر چلایا۔

''ہاں ماجو'' قاسو یوں خاموش ہو گیا جیسے کسی جرم کا اقبال کر لیا ہو۔

''لیکن۔۔۔۔۔۔لیکن۔۔۔۔۔۔کیا تم نے اس پر ہاتھ۔۔۔۔۔۔؟''

''اونہوں'' وہ بولا ''میں نے اپنی ہار تک مان لی۔ میں نے اسے بہن کہا۔''

''پر کیوں؟''

''پتہ نہیں''

''تعجب ہے' تمہیں ایسا بنا دینے سے اسے کیا ملا۔ حرام زادی۔۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔'' دفعتاً وہ رک گیا اور خاموش ہو رہا۔

اس وقت ماجو کے دل میں ایک خاموش جذبہ پرورش پانے لگا۔ کوئی ارادہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا۔

رات بھر وہ سو نہ سکا۔ دن بھر کھیت پر کچھ کام نہ کر سکا۔ پھر وہ مادو قصائی کے پاس جا بیٹھا اور تفریحاً ایک چھری تیز کرنے لگا اور گھر آتے ہوئے ان جانے میں چھری ہاتھ میں لئے چلا آیا۔ ''اونہوں۔۔۔۔۔۔'' وہ آپ ہی آپ بڑبڑایا۔ ''یہ چھری'' اس نے چھری کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''یہ چھری کام نہ آئے گی۔'' اور وہ مادو کی طرف لوٹا۔ چھری لوٹانے گیا تو مادو سے پوچھنے لگا۔ ''مادو کوئی ایسی چیز ہے کیا جو کسی کو بے ہوش کر دے۔''

''کیوں؟'' مادو نے پوچھا۔

''ویسے ہی پوچھ رہا ہوں۔''

''صمدو کے پاس ہے۔ صمدو نائی کے پاس۔'' مادو بولا ''فوراً بے ہوش ہو جائے' بس سونگھنے کی دیر ہے۔'' ''کیا چیز ہے؟'' اس نے پوچھا ''پتہ نہیں۔'' مادو نے کہا ''سرکاری چیز ہے کوئی۔ دواخانے کی ڈبیا میں بند کر کے رکھتا ہے صمدو''

رات کو چارپائی پر پڑے پڑے نہ جانے وہ کیا کیا سوچتا رہا۔ اور پھر خواب میں ایک اونچی لمبی عورت بے ہوش پڑی تھی۔ اور وہ غصے میں اپنے بھائی قاسو سے کہہ رہا تھا ''یہی ہے نا وہ؟''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور قاسو منہ کھولے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ جاگ اٹھا۔ ''جاؤں گا۔۔۔۔۔۔ ضرور جاؤں گا۔''

اندھیرے میں دبے پاؤں سرک سرک کر وہ بدراں کے مکان کے دالان تک جا پہنچا۔ سامنے پلنگ پر کوئی سویا ہوا تھا۔ اس نے ایک بڑی سی ڈبیا لنگھے کے پلے سے نکالی۔ اسے مضبوطی سے تھام کر وہ پھر چوپائے کی طرح چلنے لگا۔ چارپائی کے پاس پہنچا تو بدراں نے کروٹ لی۔ ماجو چارپائی تلے چھپ گیا۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد اس نے سر باہر نکالا۔ بدراں دائیں پہلو پر یوں لیٹی تھی کہ اس کی ناک چارپائی کے سرے کے قریب تھی۔ وہ سرک کر قریب ہو بیٹھا اور ڈبیہ کھولنے لگا۔ پیشتر اس کے کہ وہ ڈھکنا کھولتا۔ اس کے دونوں ہاتھ بدراں کی گرفت میں تھے۔

''ہوں۔۔۔۔۔۔'' وہ اٹھ بیٹھی۔ ''مجھے معلوم تھا تو آئے گا۔'' لیکن ماجو کے چہرے کی طرف دیکھ کر ٹھٹکی۔ ''تو۔۔۔۔۔۔ تو کون ہے؟'' وہ بولی ''اونہوں۔۔۔۔۔۔'' اسے چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھ کر گنگنائی۔ ''چوری کرنے آیا تھا کیا' کر لے چوری' کس لئے آیا تھا تو؟'' بدراں نے پوچھا۔ ماجو کو جوش آ گیا۔ بولا ''تیرے لئے۔''

''میرے لئے؟'' وہ حیران ہو گئی۔

''ہاں تجھے لین کے لئے۔'' اس نے دانت پیسے۔

''تو'' بدراں نے نفرت سے ہونٹ نکالے ''اپنی جان کی خیر نہیں کیا؟''

''اونہوں'' ماجو نے نفی میں سر ہلا دیا ''ایک روز مرنا تو ہے ہی۔''

''حرام موت''

''نہیں حرام کیوں نہ چلے گی میرے ساتھ تو تجھے مار ڈالوں گا۔ آپ مر جاؤں گا۔''

''بڑا بہادر ہے تو' پر یہ ڈبیا کیا ہے۔۔۔۔۔۔ ہوں؟''

''کچھ ہے ہی نا''

''زہر ہے کیا؟''

''زہر۔۔۔۔۔۔؟'' وہ مسکرایا۔

''تو پھر؟'' وہ بولی

''دوائی ہے اور کیا''

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''دوائی؟''

''ہاں تجھے بے ہوش کرنے کو۔۔۔۔۔۔ تو سونگھ لیتی تو میں کب سے تجھے اٹھا کر چل دیتا۔''

''اچھا مجھے بے ہوش کر کے لے جانا تھا تو نے' بڑا بہادر مرد ہے۔'' بدراں نے اسے دیوار پر دے پٹخا۔ ماجو کھسیانا ہو کر اٹھ بیٹھا۔

''بس یہی ہمت ہے تیری۔ گھر سے راں ڑی لینے آیا تھا۔ ہمت بھی ہے تجھ میں۔''

''نہ سہی'' وہ بولا ''خواہش تو ہے۔''

''تیرے جیسے تو ہمارے کمین ہیں' کمین۔'' وہ غرائی۔

''کمین ہی سہی۔''

''چل دفعہ ہو۔'' وہ بولی ''دور ہو جا یہاں سے جاتا ہے یا نہیں۔'' بدراں نے اسے پھر دھکا دیا اور وہ دہلیز پر گر پڑا۔ منہ پر خراش آئی لیکن جلد ہی سنبھل کر اٹھ بیٹھا۔

''جائے گا یا نہیں؟'' وہ پھر غرائی۔

''اچھا'' وہ کھڑا ہو گیا۔ ''پھر سہی''

''تو۔۔۔۔۔۔'' وہ غصہ سے چلائی اور اسے پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

''کون ہے؟'' پڑوس سے دتا بھاگتا ہوا اندر آیا۔ ''کون ہے بدراں؟''

''کون ہے یہ؟'' دتے نے ماجو کو دیکھ کر بدراں سے پوچھا۔

''پتہ نہیں'' وہ بولی

''چور ہے؟'' دتے نے پوچھا۔

''پوچھو اس سے' کہتا ہے تجھے لینے آیا ہوں۔'' وہ ہنسی۔

''تجھے؟''

''ہاں''

''حرام خور۔۔۔۔۔۔'' دتے نے اسکی گردن پر ایک دی۔ اور وہ چکرا کر بدراں کے پاؤں میں آ گرا۔

''پاگل ہے کوئی۔'' وہ بولی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''خون پی لوں گا اس کا۔۔۔۔۔۔ میں'' دتا ایک بار پھر اس کی طرف بڑھا۔

ماجو بدراں کی اوٹ لے کر بیٹھ گیا۔ اور یوں اس کا دامن کھینچنے لگا' گویا ماں بچے سے پناہ مانگ رہا ہو۔ ''دتے!'' بدراں چلائی ''تو کچھ نہ کہہ اسے میں کر لوں ٹھیک۔۔۔۔۔۔ دتے'' وہ پھر چیخی لیکن دتے نے ایک اور لگائی اسے اور وہ چیخا ''راں ڈی'' ماجو نے اعلانی اس سے پناہ مانگی۔ ''رہنے دے بہادری تو'' وہ دتے کا ہاتھ پکڑ کر بولی ''تو جا'' اس نے دتے کو دروازے کی طرف دھکیلا اور خود رسی لے کر ماجو کو باندھنے لگی۔ یہ دیکھ کر دتا ہنسا' بولا' اچھا جیسے تیری خوشی۔''

''کہتی جو ہوں پاگل ہے کوئی۔۔۔۔۔۔ سر پھرا۔''

دتا ہنسا اور باہر نکل گیا۔ اسے بندھا ہوا دیکھ کر بدراں کی ہنسی نکل گئی۔ ''مجھے لے جانے کا خبط نہیں گیا۔''

''اب تو باندھ دیا ہے مجھے تو نے۔'' ماجو بولا ''بندھے ہوئے کو باندھنے میں بڑی بہادری ہے۔'' اس نے دکھلاوے کی محبت جتائی۔

''اوہ'' وہ ہنسی اور اسے کھولنے لگی' اچھا اگر میں سونگھ لیتی اسے تو کیا ہوتا؟'' اس نے ڈبیہ کی طرف اشارہ کیا۔

''بے ہوش ہو جاتی تو۔''

''پھر؟''

''پھر میں گھوڑے پر بٹھا کر لے جاتا تجھے۔''

''سچ'' وہ بولی ''پھر؟''

''پھر۔۔۔۔۔۔'' وہ گھبرا گیا۔ ''بس'' لیکن عین اس وقت اسے سوجھی۔ ''تو نے میرے بھائی کو نہ جانے کیا پلا دیا ہے۔ اس میں ہمت نہیں رہی۔ اب سارا گاؤں دشمن ہے۔ ہم کیا کریں؟''

''اچھا'' وہ بولی ''تو اس کا بھائی ہے؟''

''ہاں'' وہ بولا'' جب سے قاسو نے کام چھوڑا ہے۔ سبھی دشمن ہو رہے ہیں۔''

''میں وہاں چلی جاتی۔۔۔۔۔۔ پھر کیا ہوتا؟'' وہ بولی۔

''پھر۔۔۔۔۔۔ پھر ہمیں کیا پرواہ تھی۔'' وہ جوش میں اٹھ بیٹھا۔ ''تو چلی جاتی تو کسی کو ہم پر ہنسنے کی جرات نہ ہوتی۔''

''اچھا'' وہ مسکرائی۔ ''کیا اس ڈبیہ کو سونگھ لیتی تو واقعی بے ہوش ہو جاتی؟'' اس نے ڈبیہ سے کھیلتے ہوئے کہا اور کھیل ہی کھیل میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسے کھول کرناک کے قریب لا کر بولی "دیکھوں۔۔۔۔۔۔ہائے میں نہیں دیکھتی۔" وہ رک گئی۔ "ہائے بے ہوش ہوگئی تو تم لے جاؤ گے۔۔۔۔۔۔لے جاؤ گے نا؟" وہ ہنسی۔ ماجو خاموش بیٹھا رہا۔

"تلخ سی بو ہے۔" اس نے ڈبیہ کو ناک کے قریب لاتے ہوئے کہا۔ "اوئی" ایک چیخ سی سنائی دی اور بدراں دھڑام سے ماجو کے پاؤں پر بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ ماجو حیران کھڑا دیکھ رہا تھا۔

دور۔۔۔۔۔۔دور۔۔۔۔۔۔کہیں کوئی گا رہا تھا۔

"راں ڑیاں۔۔۔۔۔۔ہوراں ڑیاں"

"کن جاں ڑیاں تے کن ماں ڑیاں"

"راں ڑیاں۔۔۔۔۔۔؟!"

◆◆◆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

# ہائے یہ نوجوان

اس روز چودھری غلام حسین کے گھر کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔

ایک طرف بند کمرے میں میاں بیوی اور خالہ منور سرگوشیاں کر رہے تھے' دوسری طرف ملحقہ کمرے میں فرخ پیچ وتاب کھا رہا تھا۔ پیشانی پر تیوری چڑھی تھی۔ نتھنے پھولے ہوئے تھے اور مٹھیاں بند تھیں۔ وہ ان جانے میں گھونسے چلاتا ہوا کمرے میں یوں گھوم رہا تھا جیسے پنجرے میں شیر ہو۔ اس کے پاس آصفہ بیٹھی کچھ بن رہی تھی۔ کان ملحقہ کمرے میں سرگوشیوں پر لگے تھے۔ ہونٹوں پر زیر لب مسکراہٹ تھی۔ لطیف تمسخر گالوں کے گڑھوں سے نمایاں ہو رہا تھا۔ آصفہ امی ابا اور خالہ کی سرگوشیاں سنتی ایک نظر بھائی کی طرف دیکھ کر مسکراتی جو پاس ہی عالم بے بسی میں ہوا کو گھونسے مار رہا تھا۔ کچھ گنگناتی اور پھر الجھی ہوئی لٹ ہٹا کر از سر نو کان دیوار سے لگا کر بننے میں مصروف ہو جاتی۔

بند کمرے سے عجیب سی آوازیں آ رہی تھیں۔ پہلے تو سرگوشیاں ہوتی رہیں۔ پھر اگرچہ باتوں کا انداز رازدارانہ رہا۔ مگر وہ سب اس قدر بلند آواز میں بولنے لگے جیسے اس راز کو اچھالنا چاہتے ہوں۔

پہلے تو خالہ منور اور آصفہ کی ماں کی روئی روئی آوازیں سنائی دیں پھر کوئی سسکیاں بھرنے لگی اور غلام حسین منتیں کرنے لگے۔ جیسے سمجھا بجھا رہے ہوں۔ دلاسے دے رہے ہوں۔ پھر خالہ منور کی سسکیاں مدھم پڑتی گئیں۔

آصفہ کی ماں کی آواز بھی سنبھلتی جا رہی تھی۔ اور اس کی باتوں میں تسلسل پیدا ہوتا جا رہا تھا۔ اس پر غلام حسین کی آواز میں منت کا عنصر خارج ہونے لگا۔ جیسے دفعتاً انہیں اپنے وقار کا خیال آ گیا ہو۔ ان کے لہجے میں کرختگی پیدا ہونے لگی۔ اور ان کی آواز بلند ہوتی گئی۔ وہ بیگم کی بات کاٹنے کی ناکام کوشش میں لگے تھے۔ کیونکہ بیگم کے روبرو ان کی کوششیں جملہ معترضہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ بیگم یوں بولے جا رہی تھی جیسے ویرانے میں ندی بہہ رہی ہو۔ عادی طور پر اسے کہنے سے غرض تھی۔ سننے سے نہیں۔

ملحقہ کمرے میں آصفہ یوں بیٹھی تھی۔ جیسے اسے بات سننے میں کوئی دلچسپی نہ ہو۔ اس کے باوجود بند کمرے کی سرگوشیوں کی تال پر اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر ان دھڑکنوں کا کوئی اثر دکھائی نہ دیتا تھا۔ کندھوں پر مالٹے کا رنگ کا ہلکا دوپٹہ بے پرواہی سے لٹک رہا تھا۔ جس میں سفید پھول چمک رہے تھے۔ شنگرفی ناخنوں پر سفید دھاگہ لپٹ کھل رہا تھا۔ نگاہیں اگرچہ سفید

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سینڈل کی نوک پر ٹکی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ مگر وہ کنکھیوں سے بھائی فرخ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اور مسکرا کر یوں ہونٹ ہلا رہی تھی۔ جیسے کچھ گنگنا رہی ہو۔ فرخ کو اشارتاً کچھ سمجھا رہی ہو۔

''سج لے اے اے بمزاج لے''

آصفہ کو گیتوں اور ٹھمریوں کے بول بے حد پسند تھے وہ کہا کرتی ہائے امی کتنے پیارے بول ہیں جیسے دل سے نکلے ہوں۔ اور امی ہاتھ چلا کر کہتی تو تو پاگل ہوگئی ہے لڑکی واہی تباہی نہ بکا کر۔ اور جب آصفہ اس کا جواب دینے لگتی تو امی ہاتھ بڑھا کر اس کے منہ پر رکھ دیتی چپ کر اب۔ آصفہ ہنسے جاتی۔

غلام حسین کے گھر میں بچوں کو کافی آزادی حاصل تھی اور یہ سب امی کی طبیعت کی وجہ سے تھا۔ اگرچہ میاں کے ساتھ اس کا برتاؤ سخت گیر قسم کا تھا۔ مگر بچوں کے ساتھ وہ اکثر بچہ بن جاتی۔ جب غلام حسین باہر چلے جاتے تو ماں چپکے سے آصفہ کے پاس آ بیٹھتی۔ ''کیا کر رہی ہو میری آسو'' وہ پیار سے کہتی۔ آصفہ کی زیر لبی مسکراہٹ ہونٹوں سے نکل کر گالوں پر پھیل جاتی۔ ''کیا گنگنا رہی ہے تو؟'' ماں پوچھتی۔ ''اے ہے منہ ہی منہ میں گنگناتی ہے۔ ذرا اونچی آواز سے کہہ تو کیا بول ہے۔'' ''کچھ نہیں امی'' آصفہ منہ پکا کر لیتی۔ ''اے ہے کہہ تو سہی'' ایک بار۔ توبہ تو تو نخرے کرتی ہے۔ کیا ہے وہ ڈیرے والا گیت۔ اس پر صادقہ چلائی۔ امی میں بتاؤں۔ ماں ڈیرے آجا۔ ہاں وہی۔ ماں کی باچھیں کھل جاتیں۔ ''ماں ڈیرے آجا سنا دے۔''

آصفہ ہنستی۔ ''امی وہ تو ڈیرے پر ہی ہیں پھر بلانے سے فائدہ؟''

''چل دور ہو'' ماں ہنس کر گھورتی۔ ''ہر بات کا مذاق اڑاتی ہے۔ شرم نہیں آتی۔'' آصفہ گیت سنانے لگتی تو صادقہ سلیٹ رکھ کر ٹکٹکی باندھ کر آصفہ کی طرف دیکھتی۔ آصفہ کے چہرے پر ایک پر کیف اداسی جھلکتی۔ صادقہ کا دل چاہتا کہ آپا گاتی رہے اور وہ اسے دیکھتی رہے۔ اس وقت آصفہ کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا گویا واقعی کوئی ڈیرے کی طرف آ رہا ہے۔

ایسے وقت فرخ آ جاتا تو وہ چھپ کر اس کا گانا سنتا رہتا اور اپنی آمد اظہار نہ کرتا۔ پھر جب گانا ختم ہو جاتا تو وہ بھدی آواز میں مینڈک کی طرح ٹرانے لگتا۔ اس پر آصفہ کانوں میں انگلیاں ڈال لیتی۔ ہائے امی یہ مینڈک کیوں ٹرانے لگے۔ ابھی تو برسات نہیں آئی اور فرخ چلاتا اور کیا ہر وقت کوئلیا ہی کوکتی رہے۔ مینڈک کو ٹرانے کا حق نہیں کیا۔'' ہائے بھائی جان صادقہ سلیٹ اٹھا کر منہ بناتی۔ سارا مزا کرکرا کر دیا۔'' میں کہتی ہوں ماں ہاتھ چلا کر کہتی۔ سارا دن گھر میں ہی گھسا رہتا ہے۔ کبھی باہر بھی جایا کر۔ واہ اماں وہ غصے میں گھونسا چلاتا۔ مجھے تو باہر جانے کو کہتی ہو اور اپنی لاڈلی سے ''ماں ڈیرے آجا'' سنتی ہو۔ تو یہ ماں ہونٹ پر انگلی رکھ کر کہتی۔ ''کیسے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

منہ پھٹ ہو تم جو منہ میں آیا بک دیا۔''

''میں بتاؤں امی'' صادقہ چلانے لگتی۔ اصل میں بھائی کو یہ گیت پسند نہیں۔ ان کو تو یہ شکایت ہے کہ ان کی پسند کا گیت کیوں نہیں گایا جاتا۔

''میں بتاؤں امی'' آصفہ مسکراتی اور پھر گانے لگتی۔

''سج لے اے اے بنرا سج لے''

اور فرخ اس کا منہ چڑانا شروع کر دیتا۔ بڑی گویا تو دیکھو۔ ہونہہ!

یہ دلہن اور بنرا سجنے کی بات بھی بہت پرانی تھی۔ بہن اور بھائی دونوں کو شادی کے نام سے چڑ تھی۔ فرخ رشتہ داروں میں ناطہ کرنے کے خلاف تھا اور آصفہ شادی کرنے سے ہی منکر تھی۔ گھروں میں بچوں کے بیاہ شادی کی بات ہوا ہی کرتی ہے۔ آصفہ کی شادی کی بات چھڑ جاتی تو فرخ دوڑ کر اس میں جا حصہ لیتا اور بات کو ہوا دیتا اور پھر چوری چوری آصفہ کی طرف دیکھ کر مسکراتا۔ فرخ کے بیاہ کا ذکر ہوتا تو آصفہ چپکے سے ان کے پاس آ بیٹھتی۔ ہائے اماں خالہ منور کی بیٹی رعنا کی سی لڑکی تو ڈھونڈے سے نہ ملے گی۔ اس پر فرخ دانت پیستا اور غصے میں ہوا میں گھونسے چلاتا۔ لیکن آصفہ گویا اپنی دھن میں بات کئے جاتی جیسی فرخ کی موجودگی کا احساس ہی نہ ہو۔

ادھر فرخ بھی موقعے کے انتظار میں رہتا تھا۔ موقعہ ملتا تو جھٹ رشتہ داروں میں شادی کرنے کی قبیح اثرات پر لیکچر جھاڑنے لگتا۔ اماں بات سمجھے بغیر ہی ہونٹ پر انگلی رکھ کر کہتی کیا واقعی رشتہ داروں میں شادی کرنا برا ہے فرخ۔ اس پر فرخ فاتحانہ انداز سے آصفہ کی طرف دیکھتا جو چپ چاپ بیٹھی بننے میں مصروف ہوتی اور فرخ تفصیل سے ماں کو بات سمجھانے لگتا۔ اور جب فرخ کو یقین ہو جاتا کہ اس نے اس مسئلے پر پورے طور پر روشنی ڈال دی ہے اور ماں اس کی بات کو مکمل طور پر سمجھ چکی ہے۔ تو آصفہ چپکے سے کہتی۔ امی عزیزوں میں شادی نہ ہو تو کیا غیروں میں ہو۔

''اللہ تیرا بھلا کرے ماں'' جھٹ بول اٹھتی یہی تو میں سوچ رہی تھی۔ آخر خدا رسول نے جائز کی ہے رشتہ داروں میں شادی'' فرخ کا بنایا ہوا قلعہ دھڑام سے زمین پر آ رہتا۔ اور وہ دانت بھینچ کر ہوا میں مکے مارنے لگتا۔ لیکن آصفہ چپ چاپ بننے کے کام میں محو رہتی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

لیکن اس روز جب گھر والوں نے پہلی مرتبہ سج ری دلہن سا سجے کا بول سنا تھا۔ اس روز حالات مختلف تھے۔ ماں نے برسبیل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تذکرہ آصفہ کے بیاہ کی بات چھیڑ دی۔ اسے بھی تو ان دونوں سے الجھنے میں مزا آتا تھا۔ آصفہ بیاہ کی بات سن کر غصے میں لال ہوگئی۔ بولی۔ "دماغ چل گیا ہے؟ ہر وقت بیاہ کی بات ...... کوئی اور بات سوجھتی ہی نہیں۔ عین اس وقت فرخ گھر میں داخل ہوا اس نے ایک ہی نگاہ میں بھانپ لیا کہ بات کیا تھی۔ دفعتاً اسے یاد آیا کہ جب وہ بازار سے گزر رہا تھا تو کوئی ریڈیو پر گانا گا رہا تھا جو عین موقعہ کی چیز تھی۔ اس نے چپکے سے ریڈیو کا بٹن کھول دیا۔

آخر کسی روز دلہن بننا ہی ہے تمہیں۔ اماں بولی۔

آصفہ نے مڑ کر ماں کی طرف دیکھا اور پھر سنگھار میز کے سامنے کھڑی ہو کر بال بنانے لگی عین اس وقت ریڈیو چیخنے لگا۔

"سج لے دلہن سج لے"

اور فرخ تالی بجانے لگا۔ واہ واہ 'واہ واہ' کیا گیت ہے۔"

آصفہ یہ سن کر تڑپ کر مڑی اور پھر کنگھی پھینک کر سنگھار میز سے دور ہوگئی۔ جیسے اسے سجنے سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

فرخ اپنی ہی دھن میں چلاتا رہا۔ واہ واہ کیا گیت ہے سج ری دلہن سج لے۔ واہ واہ ...... صادقہ آج تو کمال ہوگیا۔ واہ واہ واہ!

پھر چند دنوں بعد جب ماں باپ بیٹھے فرخ کے بیاہ کی بات کر رہے تھے اور فرخ اپنے کمرے میں شیو کرتے ہوئے ان کی باتیں سن کر چیں بجبیں ہو رہا تھا تو آصفہ دبے پاؤں فرخ کے کمرے میں گھس گئی اور ادھر ادھر یوں گھومنے لگی جیسے کچھ تلاش کر رہی ہو۔ پھر اس نے گنگنانا شروع کر دیا۔

"سج لے بنرا سج لے"

فرخ نے آصفہ کی طرف دیکھ کر غصے سے مکا چلایا۔ مگر آصفہ یوں معصومیت سے بولی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ بھائی جان میری پنسل تو نہیں دیکھی۔ آپ نے اور جواب کا انتظار کئے بغیر وہی گیت گنگناتے ہوئے پھر تلاش میں مصروف ہوگئی۔

دوڑ جا یہاں سے فرخ غصے میں چلایا۔ اور وہ قہقہہ مار کر ہنسی اور وہ دونوں میز کے گرد دوڑنے لگے۔ یہ "سج لے" کا مذاق بہت پرانا تھا۔

لیکن اس روز تو حالات بہت ہی بگڑے ہوئے تھے۔ گھر میں سبھی جانتے تھے کہ بند کمرے میں فرخ کے بیاہ کی بات ہو رہی ہے۔ حالات کی سنجیدگی کو مدنظر رکھ کر آصفہ کو بھی جرات نہ ہوئی کہ باآواز بلند گنگنائے اس لیے وہ دیوار کے پاس بیٹھی ہوئی مسکرا رہی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھی۔ اور فرخ غصے سے بھوت بنا ہوا تھا۔

ماں چاہتی تھی کہ فرخ کا بیاہ اس کی خالہ کے گھر ہو۔ خدا کے فضل سے اس کی ایک نہیں چار خالائیں تھیں اور ہر خالہ کے ہاں چار چار بیٹیاں تھیں۔ جیسے خالاؤں کے گھر ہمیشہ ہوتی ہیں۔ جبھی تو ماں بیٹے سے کہا کرتی تھی۔ بس تو کوئی سی چن لے۔ جونسی تیرا جی چاہے۔ تجھے پوری آزادی ہے ہاں۔ میں تجھے مجبور نہ کروں گی۔

مگر مصیبت یہ تھی کہ فرخ کو سرے سے بنت ام سے نفرت تھی۔

عام سی بھدی صورتیں۔ گھریلو انداز پھس پھسی طبیعتیں اور پھر اس کی اپنی خالہ زادیاں لاحول ولا قوۃ...... مانا کہ ان کا رنگ گورا تھا۔ لیکن رنگ کا کیا ہے۔ کسی کی طبیعت میں ذرہ بھر چمک نہ تھی۔ کئی ایک تو نمازیں بھی پڑھتی تھیں۔

وہ تو سمجھئے اس کی خوش قسمتی تھی کہ تمام خالائیں دور دراز مقامات پر رہتی تھیں۔ پھر بھی ان میں سے کسی کے آنے کا امکان ہوتا تو وہ گھبرا جاتا۔ نہ جانے کیا آفت آنے والی ہے۔ ان دنوں خالہ منور آئی ہوئی تھی۔ اگرچہ فی الحال وہ اکیلی ہی آئی تھی۔ مگر سننے میں آیا تھا کہ باقی قافلہ بھی آنے والا ہے۔ خالہ منور کے میاں۔ ان کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا۔ خالہ کے آنے پر فرخ گھبرا گیا تھا۔ گھبرانے کی بات تو تھی۔ کیونکہ اس کی آمد فرخ کے لیے خطرے کی جھنڈی سے کم نہ تھا۔ جب سے وہ آئی تھی ماں کے کمے میں ان تینوں کی پرائیویٹ ملاقاتیں ہو رہی تھیں۔ اور گھر بھر میں سرگوشیوں کی آوازوں کا گویا سیلاب امڈا ہوا تھا۔ ان آوازوں سے صاف ظاہر تھا کہ فرخ کی شادی کی بات زیر غور ہے۔ یہ تو خیر پھر بھی قابل برداشت تھا۔ اپنا ہی مغز کھاتے تھے۔ لیکن خالہ زادیوں کا قافلہ ان کے گھر آ کر ٹھہرا تو کیا ہوگا۔ فرخ یہ سوچ رہا تھا کہ کسی بہانے کہیں باہر چلا جائے اور طوفان چل کر تھم جائے تو واپس آئے۔ اس وقت بھی وہ یہی سوچ رہا تھا۔ اگر بھائی صمد کے ہاں ملتان چلا جاؤں تو........ دفعتاً بند کمرے سے خالہ منور کی آواز سنائی دی۔ وہ تو ٹھیک ہے بہن! مانتی ہوں مانتی ہوں۔ میں تو خود یہ چاہتی ہوں۔ میرے لیے اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن بہن میں مجبور ہوں۔ میری مجبوری کا بھی خیال کرو۔ میرا بس بھی چلے کچھ"

فرخ رک گیا اور خالہ کی بات سننے لگا۔

آصف کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اڑ گئی۔ اس کی وہ بے آواز گنگناہٹ ختم ہو گئی۔

خالہ منور جوش میں کہنے لگی۔ بہن میں تو فرخ کو رعنا سے بھی زیادہ عزیز سمجھتی ہوں میرا بس چلے تو فرخ پر اپنی جان تک نثار کر دوں۔ ایک چھوڑ کلیجے کی دس بوٹیاں کاٹ دوں۔ مگر رعنا کے ابا نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں۔ آخر فرخ خالی بی اے ہی ہے نا اور بی اے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

آج کل ہوتا ہی کیا ہے۔ انہوں نے تو بڑے بڑے رشتے رد کر دیئے ہیں ہاں!

فرخ نے پاؤں تلے سے زمین سرکتی ہوئی محسوس کی۔ دیواریں دھندلی پڑ گئیں۔ وہ بیٹھ گیا اور سوچنے لگا چلو مخلصی ہوئی۔ جان بچی سو لاکھوں پائے۔ اس نے خوشی محسوس کرنے کی کوشش کی۔ ''وہ مارلیا میدان'' وہ آصفہ کے سامنے چٹکی مار کر چلایا۔ ''وہ مارلیا'' لیکن اس کے باوجود اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا جیسے اس کی بے عزتی کی گئی ہو۔ جیسے اس کا مذاق اڑایا گیا ہو۔

آصفہ کی مسکراہٹ کافور ہو گئی اس کے ہاتھ رک گئے اور انگلیاں بے جان ہو کر لٹکنے لگیں۔

اور پھر تم سے کیا پردہ ہے بہن خالہ منور کی آواز پھر سنائی دی۔ اپنی رعنا کے عجیب سے خیالات ہیں۔ نہ جانے آج کل کے نوجوانوں کو کیا ہوا ہے۔ الٹی الٹی باتیں سوچنے لگے ہیں۔ تمہیں کیا بتاؤں بہن مجھے تو شرم آتی ہے بات کرتے ہوئے۔ رعنا کہتی ہے مجھے رشتہ داروں میں شادی کرنا پسند نہیں۔ لو بھی سنی تھی ایسی بات۔

فرخ نے اپنا سر کرسی کی پشت پر ٹیک دیا اور خالی الذہن ہو کر چھت کو گھورنے لگا۔

آصفہ اٹھ بیٹھی جیسے کھو گئی ہو۔

''میری بات کا یقین نہ ہو۔'' خالہ منور بولی۔ ''تو رعنا کے ابا سے بات کر دیکھو آج ہی آ رہے ہیں وہ''

''آج آ رہے ہیں۔'' آصفہ کی ماں کی آواز میں گھبراہٹ تھی۔

''ہاں'' منور بولی۔ ''سبھی آ رہے ہیں۔ رعنا حسن آرا اکبر اور جمیل سبھی۔ مگر وہ یہاں نہیں ٹھہریں گے۔''

''یہاں نہیں ٹھہریں گے؟'' ماں نے دہرایا۔

''ایک دو دن کی بات ہوتی تو وہ یہیں آ پڑتے پورے دو مہینے یہاں رہنا ہے۔ پچھواڑے میں مظفر علی کے گھر کی اوپر لی منزل کا انتظام کر لیا ہے۔ مظفر علی کا بھائی کراچی گیا ہوا ہے۔ جگہ خالی پڑی ہے۔ تم جانتی ہو مظفر علی ان کے چچا زاد ہیں۔''

''اچھا تو میں چلتی ہوں اب ذرا جگہ ٹھیک ٹھاک کرادوں۔''

خالہ منور کے جانے کے بعد غلام حسین کے گھر پر قبرستان کی سی خاموشی چھا گئی۔ آصفہ کی ماں چپ چاپ چولہے کے پاس جا بیٹھی۔ غلام حسین اندر حقے سے غم غلط کرنے لگے۔ آصفہ خاموش چارپائی پر جا پڑی اور فرخ کتاب پڑھنے کی کوشش میں مشغول ہو گیا۔

شام کے وقت فرخ مال روڈ پر گھومتے ہوئے اس مخلصی پر خوشی محسوس کرنے کی شدید کوشش کر رہا تھا۔ چلو ایک خالہ زاد سے تو جان

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں